TQ Class Lesson 44 Surah Al-Imran 92-109 Tafseerان

تفسیر سورۃ آل -عمران 92 -109

آیت 92:

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ

ترجمہ: تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو، اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہوگا۔

تیسرے پارے کے اختتام پر یہود و نصاری ملت ابراہیم علیہ السلام پر ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں -لیکن اس کے ساتھ ہی ان کے طریقے پر اور ان کے اسوہ پر چلنے کے لیے وہ تیار نہیں ہوتے۔ تو اب اللہ تعالی نے جہاں ان کی سازشوں سے پردہ ہٹایا -اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا -کہ وہ لوگ کوئی قربانی نہیں دینا چاہتے۔ اور دین جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ اور قربانیوں کا دین ہے -اور اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے -کہ اس کا اللہ کے ہاں کوئی مقام بن جائے- تو اس کو ظاہری طور پر اپنے آپ کو دیندار سمجھنا اور ظاہری دینداری کا بھرم رکھنے کی بجائے رسموں کو چھوڑ کر اللہ کے ساتھ وفاداری کے سب سے اونچے مقام پر پہنچنا چاہئے۔ اللہ کے ہاں اصل مقام ایسے مل سکتا ہے -کہ انسان جن جن چیزوں سے محبت کرتا ہے -جب اللہ کی طرف سے اس کی پکار ہو- تو ان چیزوں کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔ اصل چیز کیا ہے؟ کہ اللہ کی راہ میں چیزوں کو قربان کرنا- اللہ کی راہ میں مال کو خرچ کرنا -جو بھی انسان کو پسند ہے- اور عام طور پر یہ انسان کی جو پسندیدہ چیزیں ہیں- ان کو خرچ کرنا نہیں چاہتا – تب تک خرچ کرنے کا اس کو حوصلہ پیدا نہیں ہوتا -جب تک کہ اللہ کے عہد و پیمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اس کے اندر حوصلہ نہ ہو- یہاں پر بھی آغاز **لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ** اللہ تعالی نےفرمایا ! تم نہیں پہنچ سکتے **الْبِرَّ** - اصل میں کسی کے حق کی پوری ادائیگی -اور اس سے کامل طور پر حسن سلوک کرنا- اس کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالی فرماتے ہیں۔ **سورہ الانسان:-5 إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا**

ترجمہ : نیک لوگ (جنت میں) شراب کے ایسے ساغر پئیں گے جن میں آب کافور کی آمیزش ہوگی

امام بخاری ابن ماجہ اور مسند احمد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے-

حدیث :کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا -سچ بولنے کو لازم پکڑو- کیونکہ صدق، بّر کا ساتھی ہے -اور وہ دونوں جنت میں ہیں۔ اور جھوٹ سے بچو کیونکہ وہ فجور کا ساتھی ہے- اور یہ دونوں دوزخ میں ہیں-

سورۃ البقرہ میں البّر افضل ترین آیت بتائی جا رہی ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اللہ تعالی نے اس آیت میں نیک اعمال کی ایک فہرست دے کر ان سب کو یہ بتایا- **حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ** کہ تم اپنی پیاری چیزوں کو اپنی محبوب چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو- عام طور پر انسان کو دیندار بننے کا دعویٰ بھی ہوتا ہے- لیکن دلوں کے اندر بخل ہے- حق فروشی ہے -تنگ دلی لالچ ہے- اندر بہت سی ایسی صفات ہوتی ہیں -لیکن ظاہری طور پر لبادہ ہوتا ہے- کہ یہ بڑے دیندار ہیں- تو یہاں پر یہ بات بتایی جارہی ہے -کہ یہود و نصاری کی بات ہے یا مسلمانوں کی یعنی کوئی بھی شخص نیکی کے اعلیٰ مقام کو نہیں پہنچ سکتا - نیکی کی اصل روح کیا ہے ؟نیکی کی اصل روح تو اللہ کی محبت ہے - ایسی محبت کہ رضائے الٰہی کے مقابلے میں دنیا کی کوئی چیز اس کو پھر عزیز نہ ہو- جس چیز کی محبت آدمی کے دل پر اتنی غالب آ جائے -کہ وہ اسے اللہ کی محبت پر قربان نہ کر سکتا ہو- تو وہی بت ہے -اور جب تک انسان اس بت کونہ توڑے- اس پر نیکی کے دروازے بند رہیں گے- جس شخص کے دل میں اللہ کی محبت ایسی نہیں ہے- تو اس کی مثال اس فرنیچر کیسی ہے- جس پر اوپر تو بڑا خوبصورت رنگ اور روغن کر دیا گیا ہے- لیکن اندر سے اس کو گھن نے کھا کر ختم کر دیا ہے- انسان تو ایسے روغنوں سے دھوکا کھا لیتا ہے -لیکن اللہ تعالیٰ تو اس سے دھوکا نہیں کھا سکتے - انسان مال سے بہت محبت کرتا ہے- اور مال کو خرچ کرنا - یا ایسی چیزیں جو اس کو بہت پسند ہوں جب دینے کا سوچتا ہے-تو اس کو دل میں گھٹن سی محسوس ہوتی ہے- اللہ تعالیٰ نےفرما دیا کہ جب تک تم ایسا مال جسے تم محبوب سمجھتے ہو- جو تمہاری اپنی بھی ضرورت کا ہے-جو تمہیں بہت پسنددیدہ ہے-اس کو اگر تم اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو- تو نیکی کی وسعتوں کو نہیں پہنچ سکتے- نیکی کے اعلی مقام کو نہیں پہنچ سکتے -کہتے ہیں - جب یہ آیت نازل ہوئی- تو وہ لوگ جو قرآن سے محبت کرتے تھے- جن کو قرآن سے عشق تھا -جو رسول اللہ ﷺ کی ہربات پر عمل کرتے تھےاور احکامِ الٰہی کی تعمیل کے عاشق تھے-انہوں نےکیا کیا ؟اس آیت کے نازل ہونے پر پریشان نہیں ہوئے-اپنی جتنی محبوب چیزیں تھیں - ان پر نظر ڈالی اور یہ سوچنے لگے کہ ان چیزوں میں بھی ہمیں سب سے زیادہ محبوب کونسی ہے- تو نظر ڈالنے کے بعد پھر انہوں نے اس کو خرچ کرنے کی منصوبہ بندی کی -

واقعہ : انصار میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے سب سے زیادہ باغ تھے -ان میں سے بیرھا کا باغ آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھا - یہ باغ مسجد نبوی ﷺ کے سامنے تھا -آپ ﷺ اس باغ میں جایا کرتے- وہاں عمدہ اور شیریں پانی کا کنواں تھا -اس میں سے پیا کرتے- اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ باغ بڑا قیمتی اور بہت ذرخیز تھا- ان کے اور بھی باغ تھے لیکن ان کو اپنی جائیداد میں سب سے زیادہ محبوب یہ باغ تھا -آپ سوچیں کہ باغ کھیتی اور اس کے اندر سبزہ میٹھے پانی کا کنواں قیمتی کنواں بھی - اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے -اور عرض کی- کہ میری تمام جائیداد اور اموال میں سے بیرھا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے -اور اے اللہ کے نبی ﷺ میں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں.- اے اللہ کے نبی ﷺ میں اس باغ کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں -اور اس سے ثواب اور اللہ کے ہاں ذخیرے کی امید رکھتا ہوں -آپ جیسے جہاں مناسب سمجھیں اسے استعمال کریں-آپ ﷺ نے فرمایا, بہت خوب یہ تو عظیم الشان منافع کا باغ ہے -اور میں یہ سمجھتا ہوں -کہ آپ اپنے رشتہ داروں میں اسے تقسیم کر دیں-اپنے غریب رشتہ داروں میں اس کو بانٹ دو- ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے -بہت خوب یا رسول اللہ ﷺ میں ایسے ہی کرتا ہوں- چنانچہ یہ باغ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں بانٹ دیا -**روایۃ بخاری**

اس سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ اگر ہم کوئی خیرات اور صدقہ کر رہے ہیں اور رشتہ دار بھی ضرورت مند بھی ہیں اورغریب بھی تو رشتہ داروں کو دینا گھر والوں کو دینا- یہ بڑی خیرات ہے۔ اور زیادہ ثواب کا ذریعہ ہے ایک انفاق اور دوسرا رشتہ داری دوھرا اجر ہے ۔

حدیث : حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے- ان کے پاس ایک گھوڑا تھا -ان کو بہت پسند تھا- وہ اپنا قیمتی گھوڑا لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے- اور کہنے لگے۔ اے اللہ کے نبی ﷺ مجھے اپنی چیزوں میں یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کو میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں آپ ﷺ نے اس کو قبول کر لیا- اس سے لے کر انہی کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا ۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ افسردہ ہو گئے۔ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میرا صدقہ اور میرے ہی گھر میں آگیا ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ۔ اللہ تعالی نے تمہارا یہ صدقہ قبول کر لیا ہے

حدیث : حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے- ایک کنیز سب سے زیادہ ان کو محبوب تھي- آپ نے اس کو اللہ کی رضا کے لئے آزاد کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک کنیز تھي- جسے وہ محبت کرتے تھے- اس کو اللہ کے لئے آزاد کر دیا۔

تو اصل چیز کہ اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ کی راہ میں دینا- اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ جب تک کہ تم وہ خرچ نہ کرو جس سے تم محبت کرتے ہو۔ **مِمَّا** بہت اہم ہے ۔ اول تو یہ کہ -اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ۔دوم یہ کہ جو پسندیدہ چیز ہے اچھی چیز ہے وہ دی جائے۔ اس میں وہ ہر طرح کا صدقہ خیرات ، زکوۃ سب شامل ہے - اس میں سےاچھی چیز دی جائے- پھر اس میں تیسری چیز کہ جب ہم صدقہ خیرات کرنے لگیں۔ زکوۃ یا نفلی صدقہ دینے لگیں -تو مکمل فضیلت اور مکمل ثواب ہمیں تب ملے گا کہ محبوب اور پیاری چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں -ایسے نہیں -کہ فالتو بیکار خراب چیزوں کا انتخاب کیا جائۓ ۔ مقصد کیا ہے جتنا بھی خرچ کرنا اس میں سے اچھی اور پیاری چیز دے کر خرچ کرنا پھر مکمل ثواب تمہیں ملے گا ۔

واقعہ :۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں -کہ جو چیز آدمی اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرے-اگرچہ وہ کھجور کا ایک دانہ ہی کیوں نہ ہو-

اس سے بھی انسان ثواب کامل اور **البّر** کا مستحق ہو جاتا ہے ۔جس کا اللہ تعالی نے یہاں پر وعدہ کیا ہے ۔تو اہم چیز کہ خیر عظیم بغیر محبوب مال خرچ کے حاصل نہیں ہو سکتی- بعض مفسرین کہتے ہیں کہ افضل اور اکمل درجہ تو یہی ہے کہ اچھی چیز اللہ کی راہ میں دی جائے- یہ مطلب نہیں ہے کہ کمتر چیز یا ضرورت سے زائد چیز یا فالتو چیز یا پرانی چیز صدقہ نہیں کی جا سکتی۔ اس کا اجر نہیں ملے گا-اس قسم کی چیزوں کا بھی اجر ملے گا انشاء اللہ۔اور یہ چیزیں بھی جائز ہیں- لیکن کمال اور فضیلت محبوب چیز کے خرچ کرنے میں ہے۔ اس آیت پر ہم عمل کیسے کریں گے ؟کہ ہم اپنی چیزوں پر نظر ڈالیں۔ اور پھر ان میں سے جو بہت ہمیں محبوب ہوں۔ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کر دی جائیں۔ جب اس سے پہلے پاکستان پھر بحرین میں ان آیتوں سے گزرے ۔تو لوگوں نے ایسے ہی کیا -کہ ہم بھی ان آیات پر ایسے ہی عمل کریں گے ۔ اپنی پسندیدہ چیزوں پر نظر ڈالیں- وہ کپڑا ہو سکتا ہے- وہ برتن ہو سکتا ہے زیور یا کوئی چادر ہو سکتی ہے ۔ یا کوئی بھی اچھی چیز ۔جو انسان کو خود بہت پسند ہو ۔اور اس کا ڈیزائن اس کا ملائم اور نرم ہو -اس کی رنگت تو اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا جائے۔ تاکہ آیات زندہ ہو جائیں آیات تو بولتی ہیں- ہمیں آواز دیتی ہیں۔ ہم اس کو پڑھتے ہیں- اور آگے گزر جاتے ہیں ۔ آیات کو پڑھنے کا سمجھنے کا حق تبھی ادا ہوگا -کہ جب ہم ان کو پڑھنے کے ساتھ اپنی زندگی میں

جاری اور ساری کر لیں۔ تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے -جب تک کہ اپنی وہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو -جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔ دراصل یہاں پر یہ محبت اور وفاداری کی ایک کسوٹی بتا دی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی کسوٹی ہے- جس سے ایک طرف بنی اسرائیل کا بھرم کھولا گیا - ظاہری دینداری اللہ کو نہیں چاہیے -بلکہ حقیقی دینداری چاہیے ۔ اور جب بھی اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے کا موقع آئے- جیسے مال تو اس کی تفصیل ہم نے دیکھی اس کے علاوہ اور بھی ۔تو ان کو بھی خرچ کر دینا چاہیے -فضول عادتوں کو چھوڑ دینا چاہیے۔ اللہ کی محبت میں ہر اس بُت کو توڑ دیا جائے جس سے اللہ کی اطاعت مشکل ہوتی ہو۔ ہمارے اندر بہت سے بُت ہیں -کسی کو کوئی فضول رسم پسند ہے- تو کسی کو کوئی فضول عادت پسند - کسی کو بہت سونا پسند ہے ۔تو کسی کو بہت باتیں پسند کسی کو اپنی بہت پذیرائ پسند ہے ۔ اصل تو یہاں پر جو چیز بتائی جاری ہے- وہ وفاداری کا مقام ہے۔جو زبانی جمع خرچ سے نہیں ہوگا- تمہیں وہ مقام نہیں ملے گا -جب تک کہ تم قربانیاں نہ کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے تک کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ ان کو صحرا میں چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئے تھے ۔تو یہی سب باتیں ہیں ۔ جب انسان یہ کرے گا-تو اللہ تعالیٰ فرماتےہیں۔ جوکچھ بھی تم خرچ کرو گے **۔فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ** بے شک اللہ کو تو اس کی خوب خبر ہے-۔کوئی دانہ کوئی ڈالر کوئی سکہ کوئی پیسہ ایسا نہیں ہے ۔کہ تم خرچ کرو- پھر اس کا دس گنا سے لے کر سات گنا تک ثواب نہ ملے۔ اللہ کا فضل اتنا زیادہ ہے -کہ اس کی کوئی حد نہیں ہے ۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا

ترجمہ : اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں

وہ لوگ کھانا کھلاتے ہیں جس کی ان کو خود ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ یتیم مسکین لوگوں کو اللہ کی محبت میں کھلاتے ہیں ۔ اس کا بہت اجر ملے گا ۔

آیت 93:

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

ترجمہ : کھانے کی یہ ساری چیزیں (جو شریعت محمدیؐ میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں، البتہ بعض چیزیں ایسی تھیں جنہیں توراۃ کے نازل کیے جانے سے پہلےبنی اسرائیل نے خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا ان سے کہو، اگر تم (ا پنے اعتراض میں) سچے ہو تو لاؤ تورات اور پیش کرو اس کی کوئی عبارت۔

یہودیوں کے ایک اعتراض کا جواب ہے۔ وہ مسلمانوں سے کہتے کہ تم نے شریعت کی حرام کردہ چیزوں کو حلال بنا رکھا ہے ۔تم لوگ اونٹ کا گوشت شوق سے کھاتے ہو- اور اس کا دودھ بھی پیتے ہو- اللہ تعالی نے تو اس کو جائز نہیں کیا ۔ اللہ تعالی نے اس کا یہ جواب دیا -کہ یہ چیزیں میں نے نہیں حرام کی تھیں بلکہ تورات کے نازل ہونے سے مدتوں پہلےحضرت یعقوب علیہ السلام نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان چیزوں کو کیوں حرام کر لیا تھا ؟اس بارے میں کئی روایات ہیں- ان میں سے ایک تو یہ کہ ۔انہیں یہ چیزیں نا پسند تھیں-دوسری یہ ہے -کہ آپ کو عرق النساء کی بیماری تھی۔ شاید اس وجہ سے آپ نے ایسا کر لیا ہو -پرہیز کے طور پر اس کا استعمال نہیں کرتے

تھے- حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو ایسا کیا۔ اس کی کچھ بھی وجہ ہو سکتی ہے- بیماری کی وجہ سےیا بعض لوگ کہتے ہیں کہ نذر مانی ہے- کچھ چیزیں پسند بھی ہوں۔ اور انسان ان کو نہ کھائے۔ بات یہ ہے کہ تورات تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بہت بعد نازل ہوئی تھی۔ اللہ نے وہاں تو اس کو حرام نہیں کیا تھا ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وجہ سے ان کے پیروکار تھے- انہوں نے بھی ان چیزوں کو چھوڑ دیا -حالانکہ انہوں نے ان کو حرام نہیں سمجھا تھا- کہتے ہیں -کہ ان حرام کردہ چیزوں میں بکری، گائے اور اونٹ کی چربی بھی شامل تھی ۔بائبل کے جو نسخے آج موجود ہیں- ان میں اونٹ، خرگوش اور صافن کی حرمت کا ذکر ہے ۔احبار کے نسخ اور استثناء قرآن میں اس بات کا چیلنج ہے-کہ اگر تورات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں یہ چیزیں حرام کی گئی تھیں- تو لا کر دکھاؤ، یہود اس سے عاجز رہے۔ جس کا یہ مطلب ہے- کہ اس قسم کے اضافے لوگوں نے خود کر لئے۔ تو پھر ایسے ہی ان پر یہ چیزیں حرام کر دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا کے طور پر ان کو حرام کر دیا۔ کھانے کی سب چیزیں جو شریعت محمدی میں حلال تھیں۔ بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں۔ سابق انبیاء کی تعلیمات اور محمد ﷺ کی تعلیمات ان میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ سب ایک جیسی تھیں ۔یہ ان کا اعتراض تھا ۔پہلے ان کا کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں اعتراض تھا۔ کہ ایسا کیوں ہے ۔کہ ہم پر جو حرام ہیں ۔آپ پر حلال ہیں۔ تو اس کا جواب دیا گیا۔ ایک طرف اللہ تعالی جواب دے رہے ہیں۔ اور دوسری طرف فرمایا۔

آیت 94:

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَؕ

ترجمہ :اس کے بعد بھی جولو گ اپنی جھوٹی گھڑی ہوئی باتیں اللہ کی طرف منسوب کرتے رہیں و ہی در حقیقت ظالم ہیں۔

آیت 95:

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

ترجمہ :کہو، اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ فرمایا ہے، تم کو یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہیے، اور ابراہیمؑ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

جو بدعتیں ہیں۔ان کو اسلام میں شامل کرنے کی کوشش نہ کرو۔جو حق ہے ۔اللہ وہی بیان کرتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی تو رسول اللہ ﷺ کر رہے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید پرست تھے- اسلام کی راہ پر بلکل یکسو تھے ۔انہوں نے کوئی پک ڈنڈیاں نہیں نکالی ۔ صراطِ مستقیم پر چلتے رہے بہترین مسلمان تھے۔ ان کی گواہی اللہ تعالیٰ یہاں پر دے رہے ہیں۔ کہ نہ انہوں نے غلط کام نہیں کیا ۔بلکہ ان کی تو عادت تھی۔کہ وہ اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے- اور اللہ کے حکامات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے- اللہ کے حرام کردہ کو حرام سمجھتے تھے - اور حلال کردہ کو حلال سمجھتے تھے۔ تو یہاں ہمیں بھی اس سے ایک مسئلہ یہ پتہ چلتا ہے -کہ ملتِ ابراہیم پر چلنے کے لئے اور مسلمِ حنیف بننے کے لئے اور شرک سے بچنے کے لئے کھانے پینے کی چیزوں میں حلت اور حرمت کے معاملے میں قرآن کی پیروی کریں ۔ یہودیوں کا ایک اور اعتراض تھا ۔ کہ تمام انبیاء کا قبلہ

تو بیت المقدس ہی رہا- اور تمام انبیاء نے وہاں ہجرت کی -تو لہٰذا بیت المقدس کعبہ سے افضل ہے -اب مسلمانوں نے بیت المقدس کی بجائے کعبہ کو اپنا قبلہ کیوں بنایا ؟اگر بنا لیا ہے- تو یہ تو ابراہیم علیہ السلام کی سنت سے رو گردانی ہے -

آیت 96:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَۚ

ترجمہ :بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا۔

اللہ تعالی نے اس کا جواب دیا ہے -کہ لوگوں کی عبادت کے لئے سب سے پہلے جو گھر تعمیر ہوا۔ وہ بیت اللہ تھا۔ بیت المقدس نہیں- کیونکہ بیت اللہ ہی وہ گھر ہے -جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کے لئے لوگوں کے لئے تعمیر کیا تھا ۔اور بیت المقدس کو تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے چار سو سال بعد تعمیر کیا تھا ۔اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں یہ قبلہ اھلِ توحید کے لئے بنایا گیا تھا- قبلہ اول تو کعبہ ہے- اور قبلہ کی جو تاریخ ہے اور اس کی جو تعمیر ہے۔ اس سے پتہ چلا۔ پہلا گھر جو بنایا گیا وہ خانہ کعبہ ہے۔

بہیقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب دلائل ونبوت میں حضرت عبداللہ بن عامر بن العاص سے روایت کی ہے -

حدیث : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا !کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حوّا علیہا السلام کے دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعے ان کو یہ حکم بھیجا کہ وہ بیت اللہ تعمیر کریں- انہوں نے حکم کی تعمیر کر لی- پھر حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں اور ان سے کہا گیا -کہ وہ اول الناس یعنی سب سے پہلے انسان ہیں- اور یہ گھر سب سے پہلا گھر ہے -جو لوگوں کے لیے بنایا گیا -

یعنی سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے تعمیر کیا گیا -وہ خانہ کعبہ ہے-

بعض روایات میں آتا ہے -کہ حضرت آدم علیہ السلام کی یہ تعمیر کعبہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک باقی رہی- طوفان نوح میں جب یہ ختم ہوئی اور اس کے نشانات مٹ گئے-اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی بنیادوں پر دوبارہ اسے تعمیر کیا- پھر ایک مرتبہ کسی حادثے میں یہ تعمیر جب ختم ہوئی -تو قبیلہ جرہم کی ایک جماعت نے اس کی تعمیر کی پھر ایک مرتبہ جب یہ تعمیر منہدم ہوئی،- تو اعمالقہ نے اس کی تعمیر کی پھر منہدم ہوئی ۔تو قریش نے رسول اللہ ﷺ کے ابتدائی زمانے میں تعمیر کی-جس میں رسول اللہ ﷺ بھی شریک فرماہوئے اور حجرِ اسود کو اپنے دستِ مبارک سے نصب کیا۔ لیکن قریش نے اس تعمیر میں ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد سے کسی قدر مختلف تعمیر کی-ایک حصہ بیت اللہ کا بیت اللہ سے الگ کر دیا ۔جس کو حطیم کہا جاتا ہے۔ یہ بیت اللہ کا اندر کا حصہ تھا -جب قریش نے تعمیر کی- تو اس کو الگ کر دیا- اور خلیلُ اللہ نے جو بنیادیں رکھی تھیں اس میں کعبہ کے دو دروازے تھے۔ ایک داخل ہونے کے لیے- دوسرا پشت کی جانب باہر نکلنے کے لیے- قریش نے صرف مشرقی دروازے کو باقی رکھا-یعنی یہ دوسری تبدیلی انہوں نے کر دی-یتسری تبدیلی یہ کی دروازہ بیت اللہ کا سطح زمین سے کافی بلند کر دیا ،تاکہ ہر شخص آسانی سے اندر نہ جا سکے-بلکہ جس کو وہ اجازت دیں- وہ ہی جا سکے-

حدیث : رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا -میرا دل چاہتا ہے -کہ موجودہ تعمیر کو ہٹا کر اس کو بالکل ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں کے مطابق بنا دوں- قریش نے جو بنیادیں

ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں کے خلاف کی ہیں -ان کی اصلاح کر دوں ۔لیکن مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خطرہ ہے ۔اس لیے اس کو اسی حال میں چھوڑتا ہوں۔ یہ کہنے کے بعد آپ ﷺ دنیا میں زیادہ دیر تک زندہ نہ رہے ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سنی ہوئی تھی۔ خلفائے راشدین کے بعد جس وقت مکہ مکرمہ میں ان کی حکومت ہوئی-وہاں کے گورنر بنے- تو انہوں نے بیت اللہ کو منہدم کر کے ارشاد نبی کے مطابق اور بنیاد ابراہیمی کے مطابق بنا دیا۔ مگر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت مکہ میں زیادہ دن قائم نہ رہ سکی ۔چند روزہ تھی۔ کیوں کہ حجاج بن یوسف نے ان کو شہید کروادیا تھا ۔ حجاج بن یوسف نے بہت ظلم کیا عام طور پر مسلمان کی تلوار سے کافر کا سر اترتا ہے۔ اس نے بہت سے مسلمانوں کے سر اتارے۔ اور اس میں سے بہت نیک اور متقی تھے۔ بہت سخت اور کرخت حکمران تھا۔ بنی امیہ کے بڑے مضبوط گورنروں میں سے تھا ۔ اس نے مکہ پر فوج کشی کی اور ان کو شہید کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ کی میت کو سولی پر لٹکا دیا تھا ۔ پھرحجاج بن یوسف نے مکہ کی حکومت پر قبضہ کیا ۔ اس کو یہ پسند نہیں تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک رہے اس نے خانہ کعبہ کوڈھایا اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگ حضرت عبداللہ بن زبیررضی اللہ عنہ کی تعریف کریں - پھر اس نے اس بہانے سے کہ یہ تو درست طریقہ نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے تو ایسے نہیں چھوڑا تھا۔ یہ بات کہہ کے پھر اس نے اس کو ڈھایا پھر تعمیر کر دی ۔جو زمانہ جاہلیت میں قریش نے کی تھي۔ حجاج بن یوسف کے بعد آنے والے بعض مسلمان بادشاہوں نے پھر چاہا کہ دوبارہ بیت اللہ کی ازسرنو اس طرح سے تعمیر کریں جیسے رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے ،لیکن اس زمانے کے جو امام تھے ۔حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ انہوں نے یہ فتوی دیا ۔کہ اب بار بار بیت اللہ کو منہدم کرنا اور بنانا ،آگے آنے والے بادشاہوں کے لیے بیت اللہ کو ایک کھلونا بنا دے گا۔ ہر بادشاہ یہ چاہے گا کہ اپنی ناموری کے لیے اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ اب اسی حالت میں اس کو چھوڑ دینا مناسب ہے ۔تب امت نے اس کو قبول کیا۔ اور اسی وجہ سے آج تک وہی حجاج بن یوسف کی تعمیر باقی ہے البتہ اس کی تعمیر مرمت کا کام جاری رہتا ہے ۔ حضرت امام مالک بن انس نے یہ فتوی دیا تھا ۔تو ان روایات سے پتا چلا کہ کعبہ دنیا کا سب سے پہلا گھر ہے ۔اور کم از کم سب سے پہلا عبادت خانہ ہے ۔اور قرآن نے بھی یہ کہہ دیا **اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَۚ** ،تو پہلی عبادت گاہ جو لوگوں کے لیے تعمیر ہوئی یہ مکہ ہے اور دوسری بات جو یہاں پر پتا چلی وہ یہ کہ **لِلنَّاسِ** اس گھر کو لوگوں کے لیے بنایا گیا یہ نہیں ہے کہ اس پر لوگوں کے دروازے بند کر دیے جائیں۔ تیسری بات کیا ہے **مُبٰرَكًا** کہ یہ برکت والی ہے -یعنی اللہ تعالی نے یہ ایسا گھر بنایا ہے جو بڑا بابرکت ہے اور یہ بابرکت کیوں نہ ہو کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام متقیوں کے امام جب اس کی تعمیر کرتے جاتے تھے اور ڈرتے جاتے تھے اور اللہ سے دعا کرتے جاتے تھے **ربنا تقبل منا** کہ اللہ تعالی اس کو قبول کر لے اور اللہ تعالی نے اس کو ایسی قبولیت بخشی ہے کہ اس کے اندر بڑی رونق رہتی ہے اور ظاہری طور پر بھی اس کی بڑی برکت ہے اورمعنوی طور پر بھی اس کی بڑی برکت ہے۔ مکہ اور اس کے آس پاس کا علاقہ خشک ہے، ریگستان ہے، بنجر زمین ہے اس کے باوجود ہر موسم میں ہر طرح کے پھل، سبزیاں تمام ضروریات یہاں پر جمع ہوتی ہیں ۔ تمام دنیا والوں کے لئے کافی ہوتی ہیں اور آپ دیکھ لیں کہ جو لوگ حج پرجاتے ہیں تو کتنی دنیا آتی ہے اور مہینوں یہ موسم رہتا ہے کہ انسانوں کے سر ہی سر وہاں نظر آتے ہیں- اور اتنا بڑا مجمع پھر بھی اشیاء ضرورت ختم

نہیں ہوتی . اور ایک دن میں کتنے لوگ کتنی چیزیں وہ استعمال کرتے ہیں- اللہ تعالی نے اس کوبڑی برکت دی ظاہری معنوی لحاظ سے برکتیں بیت اللہ میں اگر کوئی نماز پڑھتا ہے تو اس کا ثواب کتنا ہے؟

حدیث : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کوئی انسان گھر میں نماز پڑھے تو اس کو ایک نماز کا ثواب ھے–اگر محلے کی مسجد میں ادا کرے تو پچیس نمازوں کا جامع مسجد میں پانچ سو نمازوں کا اور مسجد اقصی میں ایک ہزار نمازوں کا اور میری مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کا مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ھے۔**روایۃ ابن ماجہ**

تو پھر آپ دیکھیں کہ حج کے کیا فضائل ہیں؟ پچھلے سارے گناہ انسان کے معاف ہو جاتے ہیں۔ اور گویا کہ وہ ایسے ہو گا۔ جیسے کہ ماں کے پیٹ سےآج ہی پیدا ہوا ہے۔ اس کی اگلی خوبی ہے ۔اللہ تعالیٰ نے اس کو خاص شان دی ہے ۔**هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ** کہ یہ ذریعہ ہدایت ہے۔ لوگ جب یہاں آتے ہیں تو ان کے دل کی جو کیفیت ہوتی ہے جو محبت کا مقام ہوتا ہے اللہ سے اور اللہ کے شعائر سے حج اور عمرے کے طور طریقوں سے اور عبادت سے تو یہ سب اس طرف اشارہ ہے- کہ اس سے ہدایت ملتی ہے ۔یعنی اس گھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا۔- اور پھر انہوں نے **رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ** دعا مانگی اور رسول اللہ ﷺ نبی بنےاور ان کے دعویٰ سے سارے دنیا کو ہدایت ملی- تو یہ ہے، **مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ** اس کا جواب کہ رسول اللہ ﷺ نے جب نبوت کا کام کیا تو ہر طرف ہدایت کے دروازے کھلتے چلے گئےدنیا والوں کے لئے اس میں جو ہدایت ہے اور نشانیاں ہیں۔

آیت 97:

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ : اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، ابراہیمؑ کا مقام عبادت ہے، اوراس کا حال یہ ہے کہ جو اِس میں داخل ہوا مامون ہو گیا لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام د نیا والوں سے بے نیاز ہے۔

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ اس میں کھلی نشانیاں ہیں-حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام عبادت ہے- **وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا** اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہو گیا **مامون** (امن والا)ہو گیا اب یہاں پر اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں کہ اس گھر کے اندر ا ایسی سری نشانیاں پائی جاتی ہیں جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ اللہ کا گھر ہے یہ اللہ کی جناب میں مقبول ہوا ہے -اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ **ایک** تو یہ کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے جب اس خانہ کعبہ کی تعمیر کی تو ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے جاتے تھے اللہ تعالیٰ سے کہتے تھے کہ **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا** کہ اللہ تعالیٰ آپ اس گھر کو ہماری طرف سے قبول کر لیجئے ۔اتنے نیک اتنے متقی اس کی تعمیر کرتے وقت ان کو اپنے اوپر کوئی فخر نہیں تھا کوئی غرور نہیں تھا ۔بلکہ ان کو یہ غم تھا کہ پتا نہیں یہ نیکی کا ہم کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول بھی کریں گے کہ نہیں - انہیں یہی فکر تھی کہ **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ**

السَّمِيعُ الْعَلِيم

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں -کہ اللہ نے اس کو قبولیت بخشی پذیرائی بخشی -اور اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں- اور ان نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی کہ اللہ نے اس کو اپنے گھر کی حیثیت سے قبول کر لیا - دوسری بڑی نشانی جو مفسرین بتاتے ہیں- اور وہ ہم سب کو ہر کھلی آنکھ کو یہ نظر بھی آتی ہے- کہ لوگو دیکھو بیابان صحرا ہے، مٹی ہے، ریت پتھر ہے- وہاں پر اللہ تعالیٰ کاگھر بنایا گیا ہے- اور وہاں کی زمین کچھ فصلیں نہیں اگاتی- پَھل پُھول یوں ہی نہیں اُگتے- حتی کہ مٹی بھی وہاں پر باہر سے لے جائی جاتی ہے- لیکن اللہ تعالیٰ نے وہاں پر رہنے والوں کے لئے رزق کا ایسا بہترین انتظام کیا ہے -کہ طرح طرح سے دنیا بھر سے بہترین پھل بہترین سبزیاں اور بہترین پھول اور چیزیں وہاں پر پہنچتی ہیں -ایک یہ بڑی نشانی- کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا قبول کیا ہے- کہ ہر طرح سے وہاں پر وہ چیزیں پہنچتی ہیں- - آپ کو اس بات کااندازہ بھی جب آپ عمرے پر جاتے ہیں ، ہوا ہوگا- وہاں اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر آبِ زمزم کا چشمہ جاری کیا -اور یہ اتنا بڑا معجزہ ہے -کہ دنیا بھر کے مسلمان وہاں پر جا کر پانی پیتے ہیں- وہاں کا پانی بھر بھر کے لاتے ہیں- وہاں کا پانی ختم ہونے میں نہیں آتا- اور وہ پانی ایک طرف بھوک اور پیاس دونوں کو دور کرتا ہے- اور اس کے ساتھ ساتھ وہ بیماریوں کے لیے بھی شفا ہے -اور آبِ زمزم جب پیا جاتا ہے-

اور دعا پڑھی جاتی ہے -

دعا: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ رِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ

یہ دعا پڑھنی چاہئے ،اور حقیقت ہے -کہ وہ پانی جسمانی بیماریوں کے لیے شفا کا ذریعہ بنتا ہے - یقین سے پڑھنی چاہئے- کہ اللہ اس سے شفا دے دیں- پھر اس میں ایک اور بڑی نشانی کیا ہے؟ کہ ڈھائی ہزار سال تک جاہلیت کی وجہ سے سارے عرب کے صحرا پر بد امنی تھی، قتل و غارت تھي، لوٹ مار تھي مگر اس پوری فساد بھری جگہ میں صرف یہ خانہ کعبہ کا علاقہ اور اس کے اردگرد کی جگہ خود خانہ کعبہ اور اس کے اردگرد کا علاقہ ایک ایسا خطہ تھا جہاں پر امن قائم رہا - بلکہ اسی خانہ کعبہ کی بدولت اہل عرب کو چار ماہ ایسے میسر آتے تھے، کہ پورے ملک کو امن نصیب ہو جاتا تھا -یہ ایک بڑی نشانی اس کی وجہ سے دنیا کو امن مل گیا- اور وہاں پر کوئی بڑے سے بڑا ڈاکو یا قاتل چلا جاتا ہے تو کوئی اُس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا -اور وہاں پر قتل و غارت کرنا خونریزی حتی کہ شکار کرنا درخت کاٹنا یہ سب چیزیں ممنوع ہیں -ایک بڑی نشانی جو کہ نصف صدی پہلے اہل عرب دیکھ چکے تھے کہ ابرہا نے جب خانہ کعبہ پر حملہ کیا تو اس وقت کیا ہوا تھا ؟کس طرح اس کی فوج اللہ کے قہر کا شکار ہوئی تھي - اور حالانکہ بنو ہاشم والے تو مکہ کے پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے- انہوں نے کہا ہم اس کی حفاظت نہیں کر سکتے ابرہا لشکر کے ساتھ آ رہا ہے تو گھر والوں کو کہا- تم سب لوگ وہاں پر جمع ہو جاؤ- اللہ اپنے گھر کی خود حفاظت کرے گا - لوگوں نے اس کو دیکھا کہ کس طرح ابرہا اور اس کا لشکر تباہ و برباد ہو گیا -اور اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت کی- پھر اس کی ایک اور بڑی نشانی خانہ کعبہ کی وجہ سے کاروبار کو بڑا عروج ملا- تجارتی قافلے ہر زمانے میں آتے جاتے تھے -اور اس طرح تجارت کو فروغ ملتا تھا- مکہ کو ایک مرکزی تجارتی منڈی کی حیثیت مل گئی -اور معجزانہ طور پر لوگوں کے غلے چیزیں وہاں پر تب بھی آتی تھیں اور آج بھی آتی ہیں- اور اس طرح لوگوں کے کاروبار کو ایک فروغ ملتا ہے -پھر اسی طرح سے صفا اور مروّہ کی پہاڑیاں بھی -جہاں پر بی بی حاجرہ دوڑی تھیں -یہ جگہ بھی اللہ تعالیٰ کے شعائر میں اللہ کی نشانیوں میں شمار ہوتی ہیں اور مناسکِ حج ادا کرنے

کے لئے دنیا بھر کے لوگوں کو اس جگہ پر آنے کی اور یہاں پر سعی کرنے کی دعوت دی جاتی ہے ۔اور کہتے ہیں کہ انبیاء سابقین بھی حج کی ادائیگی کے لئے یہیں تشریف لاتے۔ اور ان شعائر کی غیر معمولی تعظیم اور احترام کرتے رہے ۔ یہ سب ہیں جو بیت اللہ کی برکتیں ہیں ۔اور **اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ** یہ کھلی نشانیاں ہیں ۔اور ایک کھلی نشانی کیا ہے ؟ **مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ** ابراہیم علیہ السلام کے مقام سے مراد وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر وہ خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے۔ جب آپ اوپر جانا چاہتے ۔تو پتھر بلند ہوتا جب آپ نیچے اترنا چاہتے تھے ۔وہ نیچے ہو جاتا تھا۔ اس پتھر کے اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے گہرے نشان آج بھی موجود ہیں۔ حالانکہ یہ ایک بےحس اور بے شعور پتھر ہے۔ پھر وہ کیسے اوپر نیچے ہوتا تھا۔ اور پھر ایسے کیسے ہو گیا ۔کہ وہ موم کی طرح پاؤں کے نشان پڑ گئے۔ پاؤں کا مکمل نقش اس نے اپنے اندر محفوظ کر لیا ۔ یہ سب آیاتِ قدرت ہیں۔ **اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ** ہیں۔ اللہ کی نشانیاں ہیں اور یہ پتھر بیت اللہ کے نیچے دروازے کے قریب تھا ۔اور جب قرآن کا یہ حکم نازل ہوا **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى** کہ ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ ۔ یعنی اس پتھر کو مصلی بنا لو ۔تو کہتے ہیں کہ اس وقت طواف کرنے والوں کی مصلحت سے اس کو اٹھا کر بیت اللہ کے سامنے ذرا فاصلے پر مطاف سے باہر بیرِ زمزم کے قریب رکھ دیا گیا ۔اور آج کل اسی جگہ ایک محفوظ شیشے کے اندر اس کو بند کر دیا گیا ہے۔ اور طواف کے بعد دو رکعتیں اسی کے پیچھے پڑھی جاتی ہیں ۔ اصل میں مقامِ ابراہیم اس خاص پتھر کا نام ہے ۔جس پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے۔ تو مقامِ ابراہیم بھی **اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ** میں سے ہے ۔اور اس کا مطلب یہ نہی ۔کہ جب حج و عمرہ کرنے جائیں۔ تو صرف اسی کے پیچھے پڑھیں۔ بلکہ علماء اور فقہاءکہتے ہیں، کہ پوری مسجدِ حرام مقامِ ابراہیم ہے ۔ **وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا** اور جو کوئی بیت اللہ میں داخل ہو گیا۔اس کو امن نصیب آگیا۔ یعنی اس گھر کا احترام کیسا ہے کہ خون کے پیاسے دشمن بھی ایک دوسرے کو وہاں پر جب دیکھتے ہیں۔ تو ایک دوسرے پر ہاتھ اٹھانے کی ان کو جراءت نہیں ہوتی۔ ہر قوم ہر ملت کے لوگ جو ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف رنگوں نسلوں ملکوں کے لوگ خانہ کعبہ کی عزت کرتے ہیں۔ اس کی تکریم اور تعظیم اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دی ہے ۔اور زمانہ جاہلیت میں بھی حالانکہ لوگ ایک دوسرے کے جانی دشمن بھی ہوتے تھے۔ بہت سی ان کے اندر عملی خرابیاں بھی موجود تھیں ۔اس کے باوجود بیت اللہ کی عظمت پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوتے تھے ۔اور بہت زیادہ خانہ کعبہ کا احترام کرتے تھے ۔ حتی کہ حرم کے اندر، حرم کے پاس اگر باپ کا قاتل بیٹے کے سامنے آتا۔ تو مقتول کا بیٹا جو اس کے خون کا پیاسا ہوتا۔ اپنی آنکھیں نیچی کر کے وہاں سے گزر جاتا ۔اس کو کچھ نہ کہتا فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کو دین کی مصلحت کی خاطر صرف چند گھنٹوں کے لئے حرم میں قتال کی اجازت اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔ اور فتح کے بعد آپ ﷺ نے بڑی تاکید کے ساتھ لوگوں میں اس کا اظہار کیاکہ یہ اجازت صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے تھی۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے خانہ کعبہ کی حرمت قائم ہے ۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ،

ترجمہ :تم میں سے جو شخص بھی اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے ۔تو اسے معلوم ہونا چاہیے۔ کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے ۔

یہ آیت حج کی فرضیت بتاتی ہے۔ یہاں لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے- کہ جو شخص بھی اس گھر تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو -اس کو حج کرنا چاہیے -تو حج کسے کہتے ہیں؟ قصد کرنا، اور شریعت میں حج کیا ہے کہ خاص دنوں میں خاص آداب اور شرائط کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کی جائے -اور حج زندگی میں کتنی دفعہ فرض ہے ؟ ایک مرتبہ۔ رسول اللہ ﷺ نے کتنی دفعہ حج کیا؟ ایک دفعہ ۔ آپ ﷺ کی زندگی میں کتنی مرتبہ فرض حج ہوئے ؟ تین ہوئے۔ **پہلا** حج مشرکانہ طریقے پر ہوا ،**دوسرا** حج مشرکوں نے اپنے طریقے پر کیا اور مسلمانوں نے اپنے طریقے پر کیا ، **تیسرا** حج خالص اسلامی طریقے پر کیا گیا -اور رسول اللہ ﷺ نے اس میں شرکت کی ، یہاں پر ایک خاص بات کیا ہے **مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً** استطاعت کیا ہے -اور قران و حدیث کی روشنی میں کیا شرائط ہیں؟ **پہلی بات** یہ کہ مسلمان ہو کافر پر فرض نہیں ہے۔ **دوسری** کہ بچے پر بھی حج فرض نہیں ہے بالغ ہونا چاہیے- **نمبر تین** کے حواس درست ہوں- **نمبر چار** جسمانی صحت اس قابل ہو کے حج کا سفر کر سکے بیمار نہ ہو- -ایسے انسان کے لیے خود حج کرنا صحیح نہیں ہے- دوسروں سے کروا سکتا ہے- جو خود حج کر چکا ہو -یہ حج بدل کہلاتا ہے۔سب کچھ ہومگرخود بیمار ہو- تو دوسرا اس کے لیے حج کر سکتا ہے - لیکن ایک شرط ہے کہ حج بدل کرنے سے پہلے متعلقہ شخص کا اپنا فرض ادا ہوا ہو،اس نے حج کیا ہوا ہے -پھر نفلی عبادت کرے- یعنی دوسرے کے لیے حج کرے -غلام اور کنیز پر بھی حج فرض نہیں - آزاد ہو۔ غلام کنیز اور قیدی پر فرض نہیں کسی ظالم اور جابر حکمران کی طرف سے خوف نہ ہو- یعنی کہ قید میں نہ ہو -جن راستوں سے گزر رہا ہو- وہ پرامن ہوں اس میں کوئی خطرہ نہ ہو- مالی حالت اس قابل ہو کہ فرائض ادا کر سکتا ہو۔ یعنی جو حج کے لیے جائے اپنے پچھلوں کی ضرورت پوری کرکے جائیں- پیسے مانگ کر جانے والے پر حج کرنا فرض نہیں ہے -تو پھر ما نگ کر کیوں کیا جائے- خواتین کے لیے ان کا محرم ہونا چاہیے- شوہر باپ بھائی ہونا چاہیے- لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے- جو استطاعت رکھتا ہو حج کرے یہ کر لوں وہ کرلوں منصوبہ بندی کرتا رہے -بعض استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے -تو یاد رکھیں کہ زندگی کسی سے وفا نہیں کرتی ایسے لوگوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے سخت انداز میں تنبیہ کی ہے۔ کہ اللہ کو کچھ پرواہ نہیں ہے ایسا شخص یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر(ترمذی کی روایت ہے -)جوانی کا حج کیونکہ اس میں محنت زیادہ ہوتی ہے -پھر حج تو ہے ہی قربانی-

بی بی ہاجرہ علیہا السلام کو دیکھیں- ان کی کہانی سے پتہ چلتا ہے -اپنی غفلت اور کاموں کی وجہ سے اس فرض میں دیر نہیں کرنا چاہیے -اگر کوئی شخص اس لیے حج نہیں کرتا کہ یہ کام کرلوں وہ کام کرلوں .اور ہمارے ہاں انڈیا پاکستان کے لوگ بڑھاپے میں حج کوجاتے ہیں۔ باقی ممالک کے لوگ بڑی جوانی میں جاتے ہیں۔ اور حج تو ہے جوانی کا ، محنت مشقت اس میں کرنی پڑتی ہے -اور پھر یہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ ابھی-بچے چھوٹے چھوٹے ہیں پھر کیا ہوا -ابھی بچے تھوڑے بڑے ہوگئے۔ اب کیا ہے اب بچے پڑھ رہے ہیں- اب کیا بچوں کی شادیاں کرنی ہیں-اب کیا بچوں کے بچے بیدا ہوگئے -تو اس طرح پھر آپ کبھی بھی حج نہیں کریں گے۔ حج کی تو کہانی ہی قربانی کی کہانی ہے -میں اکثر اس بات کو سوچتی ہوں- حج کی قربانی ہی حج کی کہانی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں اولاد ملی بڑی دعاؤں کے بعد۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ! جاؤ جا کے صحرا میں بساؤ ، آپ ان کوجا کے چھوڑ آئے - کچھ بھی نہیں تھا ،اکیلی بی بی حاجرہ اور چھوٹے سے ننّھے منّے حضرت اسماعیل علیہ السلام پانی بھی نہیں کھانا بھی نہیں ،اور پھر وہ بی بی حاجرہ دوڑتی ہیں -تو اس سے ہمیں کیا بات پتا چلتی ہے؟ کہ ہمیں حج جیسے اہم فرض میں غفلت کی اور اپنے مختلف کاموں کی وجہ سے تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ جتنے لوگ ابھی تک حج نہیں کر سکے، اور شرائط پر پورا اترتے ہیں -ان کو ابھی سے حج کی

نیت کرنی چاہیے- ۔ اور میں تو اکثر سوچتی ہوں -خرم مراد ، اللہ ان کی مغفرت کرے-ان کی طرح حج کا ایک لفافہ بنا لیں -جو بھی پیسے ہوں اس میں ڈالتے رہیں- وہ کہتے کہ میں نے جب مجھے تنخواہ ملنی شروع ہوئی- تو میں نے حج کا ایک لفافہ بنا لیا۔اور ہر مہینے کچھ پیسے اس لفافے میں ڈال دیتا تھاتھوڑے دنوں میں ہی بغیر کسی سے مانگے میری حج کی رقم تیار ہو گئی ۔جیسے کوئی ضروری کام آپ کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس کے لیے پیسے بچاتے ہیں (لیکن پھر بھی خرچ ہو جاتے ہیں- لیکن آپ اصل پیسوں سے اس کو نکال کر کہیں ڈال دیں) کہتے ہیں کہ اس طرح میں نے حج کر لیا۔ تو مجھے لگتا ہے -ہمیں بھی حج کا لفافہ بنا لینا چاہیے ورنہ کبھی سوچیں گے اب گھر بنا لیں جب گھر بنائیں گے تو پھر سوچیں گے -اب اس کو سیٹ کرنا ہے اور پھر اسی سیٹنگ میں وقت گزر جاتا ہے۔ مجھے یہ حدیث بہت اچھی لگتی ہے -حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

حدیث :رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **!**حج اور عمرے کو یکے بعد دیگرے کرتے رہا کرو -حج کے بعد عمرہ اور عمرے کے بعد حج کیونکہ حج اور عمرے کا یکے بعد دیگرے کرتے رہنا مفلسی اور گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے -جیسے بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے ۔

حدیث : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا**!** اے اللہ کے رسول ﷺ **ہم** جہاد کو سب سے افضل عمل سمجھتے ہیں- تو کیا ہم نہ جہاد کریں- یعنی اتنا افضل عمل ہے صحابہ جاتے ہیں -تو ہم نہ جائیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **!**تمہارے لئے سب سے افضل جہاد حج ہےجس کے دوران گناہ نہ کیا جائے۔**روایۃ بخاری** -

تو اس سے ہمیں کیا اندازہ ہوتا ہے -کہ ہمیں حج کو کرنا چاہیے اور اچھےطریقہ سے بغیر کسی گناہ کے -یعنی حج پر جاتے وقت بھی ہمیں تو یہ ہوتا ہے کہ کپڑے کیا پہنیں۔ اور بعض اوقات لوگ فلم بناتے رہتے ہیں ۔بعض اوقات فلاں معلم کے ساتھ جائیں گے ۔کتنی سہولتیں ملیں گی کس جگہ پر۔ یہ بھی ٹھیک باتیں ہیں ۔تاکہ ہم حج کے فرائض اچھے طریقے سے کر سکیں ۔سب سے اہم کیا ہے؟ کہ حج کا طریقہ آتا ہو-اور فرائض کے دائیگی میں کوئی غلطی نہ ہو، جب ہم سیکھ کر نہیں جاتے تو حج جیسے اہم فرض میں بہت سی غلطیاں ہو جاتی ہیں، اور اس طرح کوئی چیز صحیح طریقے سے ادا نہیں ہوتی۔اللہ رب العزت فرماتے ہیں **وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ** اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے۔ تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے - تو اس سے بھی جو بات پتا چلتی ہے وہ کیا ہے کہ اگر کوئی شخص حج نہیں کرتا اور حج کے کرنے پر توجہ نہیں دیتا انکار کرتا ہے ۔ ایک تو یہ کہ کافر انکار کرے گا -اگر ایمان لانے کے بعد مسلمان ہونے کے بعد بھی وہ حج کو اہمیت نہیں دیتے -تو اللہ تعالیٰ فرماتےہیں -کہ اس کا انکار بھی ایک طرح کا کفر ہے۔بے شک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بےنیاز ہے ۔پھر اللہ کو بھی کوئی پرواہ نہیں -وہ یہودی ہو کے مرتا ہے یا پھر عیسائی ہو کے -

آیت 98:

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ

ترجمہ: کہو، اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ کی باتیں ماننے سے انکار کرتے ہو؟ جو حرکتیں تم کر رہے ہو اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

اھل کتاب کو پھر سے مخاطب کیا گیا ہے- اور ساتھ ہی اس بات کی توجہ دلائی گئی ہے ڈانٹا گیا ہے ، ملامت کی گئی ہے -کہ اللہ کی نشانیاں ، جیسے ملت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ پھر آخری رسول ﷺ سے متعلق ان کے صحیفوں میں موجود تھي- مگر پھر بھی وہ انکار کرتے تھے۔ تو یہ ان کے اعتراض کا جواب دیا گیا ۔بیت اللہ کے بارے میں ساتھ ہی بتا دیا گیا کہ حج فرض ہے ۔استطاعت والوں کے لیے۔ اہل کتاب تمہارے صحیفوں میں یہ ساری باتیں موجود ہیں۔ پھر تم انکار کیوں کرتے ہو؟ تم کیوں شبہات میں رہتے ہو؟ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کیا؟ **لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** پھر تم اللہ کی آیات کا انکار کیوں کرتے ہو، **وَٱللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ** جو حرکتیں تم کر رہے ہو۔ اللہ ان سب کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی اللہ سے اور اللہ کی آیات سے شرارتیں کرنا۔ تو اللہ تعالیٰ سب دیکھ رہا ہےکہ تم کیا کر رہے ہو ۔

آیت 99:

قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

ترجمہ: کہو، اے اہل کتاب! یہ تمہاری کیا روش ہے کہ جو اللہ کی بات مانتا ہے اُسے بھی تم اللہ کے راستہ سے روکتے ہو اور چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھی راہ چلے، حالانکہ تم خود (اس کے راہ راست ہونے پر) گواہ ہو تمہاری حرکتوں سے اللہ غافل نہیں ہے۔

اھل کتاب کے اعتراضات کا جواب دینے کے بعد ،ساتھ ساتھ ان کی ذہنی اصلاح کی جا رہی ہے ۔پہلے حلال حرام کے بارے میں، قبلے کی تبدیلی کے بارے میں ۔اب اللہ تعالیٰ فرماتےہیں- کہ کتنی عجیب بات ہے کہ تم خود بھی راہ راست پرتھے- تمہارا یہ کام تھا- کہ لوگوں کو دین کا راستہ بتاؤ، جو لوگ راہ راست پر ہیں، اور دین کے راستے پر چلنا چاہتے ہیں- اور دوسروں کو بتانا چاہتے ہیں- تو اب تم کیا کر رہے ہو؟ تم ان کو روکنا چاہتے ہو۔**لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** کیوں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہو؟ بنی اسرائیل پر بھی پہلے یہ فریضہ تھا ۔کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں۔ تو انہوں نے کیا کیا ؟کہ خود تو اس کو چھوڑ دیا ، پھر اللہ نے جب ان کو معزول کر کے **شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ** مسلمانوں کو بنا دیا -تو اب مسلمانوں کو روکتے ہیں اور کیا چاہتے ہیں **تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا** یعنی کجی چاہتے ہیں ٹیڑھ چاہتےہیں ۔ تاکہ مسلمان بھی سیدھے راستے پر نہ چلیں ۔ حالانکہ بنی اسرائیل کی حالت کیا تھي؟ **وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ** بنی اسرائیل خود اس بات پر گواہ ہیں کہ یعنی ایک نبی آئے گا- قرآن ، پھر امت وسط ۔ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے گی۔ تو جب ان کو یہ باتیں پتا تھیں کہ یہ کام کیا جانا ہے تو پھر اب وہ اس کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ یعنی جانتے بوجھتے اللہ کے سچے پیغمبر کا اس کی تعلیمات کا انکار کرتے ہیں ۔اور دوسرے مسلمانوں کو بھی متنفر کرنے کی ان کے ذہن میں شبہات ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں ۔تو ایک طرف یہودیوں کو ملامت کی جاری ہے ،کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ نہ کریں غلط طرز عمل کو چھوڑ دیں دوسری طرف مسلمانوں کو تنبیہ کی جاری ہے۔ کہ اے مسلمانوں تم ان کی روش سے ہوشیار رہو - ایسا نہ ہو -کہ تم ان کی باتوں یا ان کی چالوں میں آجاؤ- تو پھر تم بھی صراط مستقیم سے ہٹ جاؤ۔ **وَ مَا اللّٰهُ**

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اللہ تمہاری حرکتوں سے غافل نہیں ہے- **وَ اللّٰہُ شَہِیْدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ** سب کچھ دیکھ رہا ہے جو یہ کر رہے ہیں- تمہاری حرکتوں سے اللہ غافل نہیں ہے- تو یہ آیات انسانوں کے اعمال پر اللہ کے سمیع اور بصیر ہونے کے ، اللہ کے گواہ ہونے کے ، اللہ کے علیم ہونے کے پہرے بٹھاتی ہیں -اور اتنی خوبصورت آیات ہیں- اگر ہم ان پر عمل کر لیں تو ہماری نجات کیلئے بہت کافی ہیں- یہ نہ صرف اھل کتاب کی بات ہے، بلکہ مسلمانوں کیلئے بھی کہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں- اللہ دیکھ رہا ہے -اللہ ان پر گواہ ہے- ہماری حرکتیں ہماری باتیں اور اعمال سب اللہ کی نظر میں ہیں -اور اللہ اس کے بارے میں پوچھے گا -

آیت 100:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم نے اِن اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مانی تو یہ تمہیں ایمان سے پھر کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔

خاص بات جس کی طرف توجہ دلائی جاری ہے- کہ اہل ایمان ، اہل کتاب کی بات نہ مانیں- اور وہ کیا بات ہے؟کہ ایک طرف یہود تھے - جو کہ مدینہ کے اندر رہتے تھے- اور مدینہ کے انصار کون تھے- اوس اور خزرج قبیلے کے لوگ تو جب اوس اور خزرج آپس میں بھائی بھائی بن گئے -تو یہ مدینہ کے یہودیوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا-ان کے عناد میں اور تیزی آگئی-

واقعہ : یہودیوں میں ایک بڑا یہودی تھا شماس بن قیس اس کو بہت صدمہ پہنچا کہ مسلمان اکٹھے کیوں ہوگئے ہیں-آپس میں اب مل کر کیوں بیٹھنے لگے ہیں-اللہ تعالیٰ ایک طرف مسلمانوں کو فرماتے ہیں-کہ ان کا کہنا نہیں ماننا اور یہ جو یہودی تھا -شماس بن قیس اس نے ایک نوجوان یہودی کو حکم دیا کہ وہ انصار کی محفلوں میں جا کر جنگِ بعاث کا ذکر کرے -اور پھر جنگِ بعاث میں اوس اور خزرج کے درمیان ایک جنگ ہوئی -کئی ہزار سال تک رہی اور اس میں ان کے کئی لوگ مارے گئے - پھر اس نے ایسے شعر پڑھے کہ اوس اور خزرج کے لوگوں نے ایک دوسرے کو مارا تھا - ان کو قتل و غارت پر آمادہ کیا اور آپس میں ایک فریق دوسرے سے کہنے لگا اگر تم چاہوتو ہم اس جنگ کو پھر پلٹا کر لے آئیں -تو ہتھیار ہتھیار کی آوازیں آنے لگیں اور مقابلے کے لیے حرہ کا مقام طے پا گیا- لوگ اس طرح نکل کھڑے ہوئے قریب تھا- کہ ایک خوفناک جنگ چھڑ جاتی -اتنے میں کسی نے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی خبر دی -آپ چند مہاجرین کو ساتھ لے کر فوراً موقع پر پہنچ گئے اور جاتے ہی فرمایا !مسلمانوں! میری موجودگی میں جاہلیت کی یہ پکار- اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی طرف دعوت دی اور تمہارے دلوں کو جوڑ دیا -پھر یہ کیا ماجرہ ہے-

رسول اللہ ﷺ کی یہ پکار سن کر انصارکی آنکھیں کھل گئیں اور وہ سمجھ گئے- کہ وہ کس طرح شیطانی جال میں پھنس گئے تھے اور اس جال میں پھانسنے والے یہودی تھے- پھراوس خزرج کے لوگ آپس میں گلے ملے اور رونے لگے -اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی سازش کو ناکام بنا کر مسلمانوں کو تباہی سے بچا لیا -ابن ھشام میں اگر آپ پڑھنا چاہیں- تو اس میں اس کی تفصیل پڑھ سکتے ہیں -تو یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ فرماتےہیں -کہ ان کا کہنا نہ ماننا -اگر تم نے ان کا کہنا مانا - تو یہ تمہیں ایمان سے پھرکر کفر کی طرف لے جائیں گے۔

آیت 101:

وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

ترجمہ: تمہارے لیے کفر کی طرف جانے کا اب کیا موقع باقی ہے جب کہ تم کو اللہ کی آیات سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسولؐ موجود ہے؟ جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا وہ ضرور راہ راست پالے گا۔

بڑی خوبصورت آیت ہے- اور کیسے تم کفر کرو گے - جبکہ رسول تمہارے درمیان موجود ہے- یعنی قرآن اور رسالت کی موجودگی میں لوگوں کی لڑائیاں نہیں ہونی چاہیئے -نہ میاں بیوی میں ، نہ دوستوں میں ، نہ ہمسائیوں میں ، نہ مسلمان ملکوں میں- کیف لفظ یہ انسان کو جھجھوڑتا ہے ۔ سوچنے سمجھنے پر مجبور کرتا ہے- لوگو تم کیسے کفر کرو گے- تمہارے اندر یہ جرات ہے- تم ایسا کر سکتے ہو ۔ تلاوت کرتے ہو اور عمل نہیں کرتے ایسے تلاوت کا کیا فائدہ ایسے قرآن پڑھنے کا کیا فائدہ ۔ ہم کتنے قرآن یعنی ہر سال رمضان میں کتنے قرآن ختم کرتے ہیں ۔قرآن کا رمضان سے بڑا خاص تعلق ہے- امت مسلمہ قرآن کی تلاوت کرتی ہے- لیکن قرآن جس راستے کی طرف لے کے جانا چاہتا ہے -اس راستے پر چلنے پر تیار نہیں ہے اس راستے پر ایک قدم اٹھانے کو تیار نہیں ہے -جس راستے پر قرآن کرنا چاہتا ہے نہ انفرادی زندگی میں تبدیلی نہ اجتماعی زندگی میں تبدیلی اور جبکہ سیرت ، حدیث میں سب چیزیں موجود ہیں- اس زمانے میں تو اللہ کے نبیﷺ موجود تھے -پھر فرمایا اللہ کے دامن کو تھام لو! مراد دین کو مضبوطی سے تھامنا -اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرنا- اور اس میں ذرہ برابر کمی نہ کرنا۔**فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** تو لوگو اس کو **صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** مل گئی- اس کو سیدھا راستہ مل گیا -اس کو راہِ راست مل گئی -اس کو ہدایت کا راستہ مل گیا -تو ہمیں بھی قرآن و حدیث کا اس طرح سےمطالعہ کرنا چاہیے -کہ پھر وہ ہماری زندگیوں میں جاری اور ساری ہو جائے-

آیت 102:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔

یہ آیت قرآن کی بہت خوبصورت آیات میں سے ہے- اور یہ وہ آیت ہے جو خطبہ نکاح میں بھی پڑھی جاتی ہے -اور اس آیت میں اللہ رب العزت اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہیں -اور ایمان والوں جو آخرت پر کتاب پر رسول پر اور تقدیر پر ایمان لاتے ہیں- لوگو!جو ایمان لائے ہو- ایمان کیسا ہونا چاہیے؟- جیتا جاگتا ہو- جو محسوس ہوتا ہو- اور ایسا ایمان کہ انسان اس کی وجہ سے نیکیاں کرنے لگے -اور گناہوں کو چھوڑنا شروع کر دے- **اتَّقُوا اللّٰهَ**-اللہ سے ڈرو-انسان بہت سی چیزوں سے ڈرتا ہے کبھی سردی سے کبھی گرمی سے یہاں پر اللہ تعالی سے ڈرنے کا کہا جارہا ہے -اللہ تعالی سمیع ہے ،بصیر ہے- جو ہر وقت انسان کو دیکھتا ہے- اور انسان کے دلوں کے راز تک جانتا ہے- اس آیت کا پچھلی آیت سے ربط ہے -وہاں ہمیں کیا بات پتا چلی تھی **وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** کہ جس نے بھی اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا -اس کو صراط مستقیم مل گئی-اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے سے مراد دینِ

اسلام قرآن مجید اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت پر جم جانایہ صراط مستقیم ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب کیا ہے ؟ قرآن اور حدیث کے احکامات کو بجا لانا۔ یعنی اللہ کے حقوق اور اللہ کے بندوں کے حقوق کو پورا کریں ۔ **اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ** اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا جق ہے۔ **اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ** میں تقوی کا لفظ خاص ہے۔ اور آپ نے تقوی کے بارے میں کتنی بار پڑھا ہے ۔ جب گھر میں جھگڑے ہو رہے تھے ۔جب طلاق کی بات کی ۔جب عدت کی بات کی جب خلع کی بات کی ہے ، ہر چیز میں اللہ تعالی نے کہا کہ تم لوگ اللہ سے ڈرو یعنی تمہارے تمام مسائل اور مشکلات سے نکلنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ کیا ہے؟ کہ اللہ کا تقوی اختیار کیا جائے۔ اور تقوی کے بارے میں ہمیں علماء سے اس کے تین درجے پتا چلتے ہیں ۔ **ایک** ادنی درجہ ہے کہ انسان کفر اور شرک سے بچے، اور **دوسرا** درجہ کیا ہے؟جو اصل مطلوب ہے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول کو جو چیزیں ناپسندیدہ ہیں ان کو چھوڑ دے ۔اور یہی وہ تقوی ہے جس کے بارے میں اب تک آپ نے پڑھا ہے۔ جس کی فضیلت ہمیں قرآن حدیث سے ملتی ہے۔ **تیسرا** درجہ جو سب سے اعلی درجہ ہے ،جو تقوی کا اعلی مقام ہے ۔وہ ہے جس پر انبیاء علیھم السلام رہے اور اس کے علاوہ انبیاء کے دوست ان کو نصیب ہوا، اور اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو ہر طرح کے ریاء اور شرک سے بچائے، اور دل کے اندر اللہ کی یاد اور اللہ کی رضا سے دل معمور ہو جائے۔ اور یہاں پر کیا کہا جا رہا ہے؟ کہ تقوی کا وہ درجہ حاصل کرو وہ جو حق ہے متقین کا جو حق ہے تقوی کا اور یہ اعلی درجہ ہے ۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حقِ تقوی یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت ہر کام میں کی جائے کوئی کام اطاعت کے خلاف نہ ہو اور اس کو ہمیشہ یاد رکھیں کبھی بھولے نہیں اور اس کا شکر ہمیشہ ادا کریں کبھی نا شکری نہ کریں۔

تو اس حدیث سے بھی چار باتیں پتا چلتی ہیں۔ہر کام میں اللہ کی اطاعت دوسری چیز کوئی کام اس کی رضا کے خلاف نہ کرنا، تیسری چیز ہمیشہ اس کو یاد کرنا یہ نہیں کہ کبھی کر لیا ہمیشہ یاد کرنا ، اور چوتھی چیز ہمیشہ شکر ادا کرنا نا شکری نہ کرنا ، اور بعض لوگ کیا کہتے ہیں کہ حقِ تقوی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کی اور برائی کی پرواہ نہ کریں۔ ہوتا ہے نا کہ کبھی زندگی میں ہم اچھا کام کچھ کر رہے ہیں لوگ کہتے ہیں اب اتنی ملانی بننے کی ضرورت نہیں ہے ۔یا کسی نے کہا کہ اب ہر وقت تم اسکارف سر پر رکھتی ہو ، تو سکارف اتار دیا اب تو تم ملانی بن گئی ہو، اب تو تم یہی کام کرتی رہتی ہو ،جب لوگوں غلط کام کر رہے ہوتے ہیں تو آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتی ہیں تو لوگ کہتے ہیں ہر وقت ہر جگہ یہ نہ کیا کرو، آپ کسی شادی کی محفل میں گئے نماز کا وقت ہوا آپ نے نماز پڑھنی شروع کر دی لوگ کہتے ہیں اب یہ یہاں پر کھڑی ہوگئی نماز کے لیے ۔تو آپ کہتے ہیں اچھا تو اب لوگ کیا کہیں گے۔ چلو پھر ٹھیک ہے گھر جا کے پڑھ لوں گی، تو نماز قضاء ہو گئی ۔ تو ہم نے لوگوں کی ملامت کی وجہ سے نیکی کرنا چھوڑ دی، تو یہ تقوی نہیں ہے، یہ **اتَّقُوا اللّٰہَ** نہیں ہے پھر اسی طرح قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے **فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** یعنی اللہ سے ڈرو جتنا تمہاری قدرت میں ہے ۔

حدیث : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ درحقیقت **حَقَّ تُقٰتِہٖ** اس کی تفسیر یہ ہے کہ انسان گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کرے ۔اپنی پوری توانائی اس میں لگائے تو حق تقوی ادا ہو گیا۔ لیکن اگر کوئی شخص پوری توانائی خرچ کرنے کے بعد بھی کسی ناجائز

کام میں مبتلا ہو جاتا ہے یا اس سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ پوری کوشش کرنے کے باوجود اب انسان ہونے کے ناطے اس سے غلطی ہو گئی کوشش کر رہا ہے پھر بھی اس سے خطا ہو گئی،

پھر اسی طرح سے جو اہم بات ہے ۔کہ اللہ رب العزت جو فرماتے ہیں کہ **حَقَّ تُقٰتِہٖ** میں اکثر اس بات میں سوچتی ہوں کہ تقوی کا جہاں تک حق کی بات ہے ہم اس کے سب سے نچلے درجے پر آتے ہیں، اللہ کی جہاں اطاعت کی بات اور اللہ کی رضا کی تو ہم کہتے ہیں کہ کوئی بات نہیں اور جہاں پر دنیا کی بات ہوتی ہے تو ہم اس کا اعلی درجہ لینا چاہتے ہیں ۔اور پھر یہ کہ اللہ کا حق ادا کرنا سمجھ میں نہیں آتا کہ تقوی کا حق کیا ہے ،لیکن اپنے حقوق سمجھ میں آتے ہیں ، شوہر ہے تو بیوی سے اس کے جو مطالبات ہیں، وہ اس سے ناراض ہوتا ہے، بےشک بیوی فجر سے لے کر عشاء تک کوہلو کے بیل کی طرح چلتی ہے ، بیوی شوہر سے ناراض ہوتی ہے شوہر بیوی سے ناراض ہوتا ہے کہ تُو نے میرے حقوق ادا نہیں کیے حالانکہ ہو سکتا ہے شوہر بھی دن دات محنت مشقت کرتا ہو۔ مزدوری کرتا ہو۔ پھر بھی بیوی کے مطالبات پورے نہ ہوتے ہوں دونوں باتیں ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح بعض دوست دوستوں سے ناراض رہتے ہیں والدین بچوں سے ناراض رہتے ہیں کہ میرے حقوق ادا نہیں کرتے ۔اور بچے جو پڑھائی کے ساتھ کتنی کوشیشیں کیوں نہ کرتے ہوں۔ اسی طرح بچے ماں باپ سے ناراض رہتے ہیں ماں باپ دن رات ایک کر دیا بال سفید ہو گئے کچھ بچا کے نہیں رکھا سب کچھ بچوں کے لیے کیا اس کے بعد بچے کہتے ہیں آپ نے ہمارے لیے کیا کیا ،آپ نے ہمارا کون سے حقوق ادا کیا آپ نے ہمارا کتنا خیال کیا، اسی طرح میں کہتی ہوں کہ آپ پیٹ کو ہی دیکھ لیں کہ ہمیں پیٹ کا حق اچھی طرح آتا ہے کہ کیسے ادا کرنا کہ ہر گھر میں اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہم دو سالن یا دو ہنڈیا ضرور بناتے ہیں چاول ہے تو روٹی ضروری ہے اور اگر ہم گوشت کا سالن بنا رہے ہیں تو ساتھ دال ضروری ہے ورنہ سبزی ضروری ہے۔ پھر چٹنیاں پھر سلاد پھر مشروبات، تو پھر ہم lunch سے پہلے snack لیتے ہیں ، تو ہمیں پیٹ کا حق خوب آتا ہے کیسے ادا کرنا ہے دستر خوان کتنا سجا ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد جب ہم کھا رہے ہوتے ہیں ہمیں پتہ ہوتا ہے ، اب اور نہیں کھا سکتے ،کہتے ہیں نہیں دو چار نوالے اور بھی کھا لیں تو کیا ہے ۔کہتے ہیں کیا بات ہے حلیم کی کیا بات ہے بریانی کی ،تو یہ ہے پیٹ کا حق، اسی طرح سونے کی بات ہے بعض لوگوں کی چار گھنٹے کی نیند ہوتی ہے بعض کی چھ ہوتی ہے بعض کی سات کی ہوتی ہے ہم چھ سات گھنٹے لیتے ہیں توآنکھ کھلنی شروع ہوتی ہے پھر ہم کہتے ہیں ابھی تو کمر سیدھی کرنی ہے آنکھیں پھر بند کر لیتے ہیں، اور یہ والا بھی حق خوب آتا ہے پھر اسی طرح سے اپنی آنکھوں کو دیکھ لیں۔ کہ کسی کی نظر کمزور ہے اور اب تو بہت جلدی بال سفید اور نظر کمزور عمر کا اس کوئی تعلق نہیں ۔عینک لگاتے ہیں پھر عینک کیسی چاہتے ہیں گولڈن ہونی چاہیے ۔ پھر ہم کہتے ہیں نہیں لینز ہونے چاہیے ۔پھر ہم کہتے ہیں لینز بھی کیسے ہیں براؤن ہونے چاہیے، نیلے ہونے چاہیے ،ہرے ہونے چاہیے، یہ آنکھوں کا حق کہ وہ خوبصورت لگیں یعنی جو اصل آنکھیں نہیں ہیں وہ آنکھیں نظر آئیں تو اور زیادہ اچھا ہے تو یہ آنکھوں کا حق یعنی پیٹ کے حق کو دیکھ لیں جسم کے حق کو دیکھ لیں آنکھوں کے حق کو دیکھ لیں ۔ اپنی پوری جلد کو دیکھ لیں پہلے تو پتہ کرتے ہیں کہ لوشن سوٹ کونسا کرے گا ۔کونسی کریم کرے گی، اور یہ ہواؤں کے چلنے کی ہے، تو یہ رنگ گورا کرنے والی ہے ،یہ ہے جلد کا حق کتنا کچھ کرتے ہیں ۔ کیا کیا آگیا ،چہرہ کو سونے پہے سےپہلے دھونا ہے سو کے اٹھ کر دھونا ہے۔ ہر دن ایک نئی کریم آتی ہے اور ایک نئی کمپنی متعارف ہوتی ہے۔ اور ہم اس کے پیچھے بھاگتے ہیں ۔اور اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ لیکن اصل بات اللہ کا حق ادا کیا جائے، جیسے کہ ادا کرنے کا حق ہے، اللہ سے ایسے ڈرا جائے جیسے کہ ڈرنے کا حق ہے **وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ** یہ بڑی اہم حقیقت کی

طرف اللہ نے اشارہ کیا ، اللہ تعالیٰ فرماتےہیں ۔اے مسلمانوں اے ایمان کا دعویٰ کرنے والوں میں تم سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ آج بھی اور وقتی طور پر مجھ سے ڈرنا زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ اسی تقویٰ کے تحت جینا اور اسی کے تحت مرنا ہوش سنمبھالنے کے بعد ایمان لانے کے بعد ،جو جدوجہد تم نے شروع کی ہے زندگی کی آخری سانس تک رہنی چاہئے ۔کبھی تسلسل ٹوٹنا نہیں چاہئے ۔کبھی بعض لوگ صرف رمضان کے مہینےمیں مسلمان ہوتے ہیں بعض صرف حج کے دنوں میں بعض کبھی مصیبت ، بیماری آگئی تو کہتے ہیں صدقہ کرو ، خیرات کرو روٹھوں کو مناؤ ،کیونکہ مشکل آگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتےہیں کہ نہیں یہ جو اطاعت کر رہے ہو یہ تقویٰ ہے۔ تمہارے دن جس میں اللہ سے ڈر رہے ہو سلسلہ ٹوٹنا نہیں چاہئے ۔ساری زندگی کرنا ورنہ محنت ضائع جائے گی۔ اور یہ والی بات **وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ** تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو ۔کہ جیتے جی بھی کلمہ پڑھنا اور ساری زندگی پڑھنا جیتے جی اطاعت پر قائم رہنا سب کے حقوق ادا کرنا سب کو راضی رکھنے کی کوشش کرنا۔ اور یہاں تک کہ تمہیں موت آجائے اس وقت تک ادا کرنے کی کوشش کرنا۔ اس میں ایک پوائنٹ اور بھی ہے جو بہت اہم ہے ،اللہ سے ڈرنے کا راستہ تقویٰ کا راستہ اسلام کا راستہ یہ آسان نہیں ہے ۔یہ راہ ہموار نہیں ہے۔ اس میں بہت سے نشیب و فراز ہیں۔ اس میں بہت اتار چڑھاؤ ہیں، اس میں سردی بھی ہے اس میں گرمی بھی ہے اس میں دکھ بھی ہے اس میں سکھ بھی ہے، اس میں خوشیاں بھی ہیں اس میں غم بھی ہیں آسانیاں بھی ہیں اس میں مشکل بھی ہے ہر قدم پر تمہارے لئے اتار اور چڑھاؤ ہیں تمہیں آزمائشیں آئیں گی، کتنوں سے تم آزمائے جاؤں گے شیاطین خوب وار کریں گے، تم پر اس کی بہت ہی چالیں آئیں گی ۔لوگ فتنہ میں ڈالنا چاہیں گے، تو اب ایسا نہ ہو کہ شیطان کا وار کام آجائے شیطان تم پر وار کر جائے۔ کہ تم نیکی سے محروم ہو جاؤ یا پھر کوئی عام شخص جو ہے وہ کچھ ایسی حرکتیں کرے، جس کی وجہ سے تم نیکی سے محروم ہو جاؤ ،تو اصل بات کیا ہے؟ کہ پوری زندگی اسلام پر قائم رہنے کا پختہ عزم کرنا ضروری ہے ۔یہ ہے تقوی کا حق

مفہوم حدیث: بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں ساری عمر اعمال صالح کرتے رہتے ہیں، ساری زندگی نیکیاں کرتے گزر گئی، آخر میں کوئی ایسا کام کر بیٹھے سارے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔

اور پھر آپ دیکھیں کہ پھر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ساری زندگی جو نیکیاں کیں۔ پھر وہ کسی عمل کی وجہ سے ضائع ہو جائیں ۔کہ اس کے ایمان کو ثبات نہیں ہے اس کے اندر اخلاص نہیں ہے۔ کوئی ایسی چیز ہے جس کی کمی ہےاس کے اعمال کے اندر پختگی نہیں ہے اگلی بڑی خوبصورت آیت ہے، اور یہ بڑی اہم بنیادی آیات میں سے ہے نکاح کے خطبہ میں بھی پڑھی جاتی ہے نکاح کا خطبہ مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے اندر یہ آیت نہ پڑھی جائے ،اور آپ دیکھ لیں کہ اگر میاں بیوی وہ اس آیت پر ہی عمل کر لیں اللہ سے ڈر کر ایک دوسرے کا خیال رکھیں تو زندگی گھر کی زندگی ایک خوبصورت گھر بن جائے - جھگڑے لڑائیاں اس میں کیوں ہوتی ہیں؟ جھگڑے لڑائیاں شوہر بیوی پر زیادتی کرنا چاہتا ہے بیوی شوہر پر زیادتی کرنا چاہتی ہے۔ اور جو مضبوط ہوتا ہے وہ زیادہ حاوی ہو جاتا ہے ،اور جو کمزور ہوتا ہے وہ پِستا چلا جاتا ہے ۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتےہیں کہ نہیں مجھے یہ پسند نہیں ہے _اطا عت جیتے جی بھی کرنا اور آخری دم تک کرنا جوانی میں بھی کرنا اور بڑھاپے میں بھی کرنا ۔بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اچھا جب بڑے ہوں گے پھر اللہ کی اطاعت کریں گے ۔تسبیح پکڑیں گے جائے نماز پکڑیں گے ۔جوانی تو مزے کے دن ہیں۔کھاؤ پیو عیش کرو ۔**وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا** کتنی خوبصورت آیت ہے ایسے پکڑ کر رکھتی ہے اگر کوئی اس پر عمل کرنا چاہے۔دنیا کی ہر چیز کا حق ادا کرنے کی فکر ہے

تمہیں اپنے حقوق کی فکر ہے ۔میرے حقوق کی فکر کرو ۔اور ساری زندگی کرنا یہاں تک ایسی حال میں تمہیں موت آجائے۔ **وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ** اور پھر یعنی تم سراپا بندگی ہو ،ایسی حالت میں تمہیں موت آئے فرشتہ تمہاری جان نکالے کہ تم سراپا بندگی میں تھے، تم مسلم تھے تم اسلام پر تھے۔

آیت 103:

وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

ترجمہ: سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ اِن علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آ جائے۔

تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور اللہ کی رسی سے مراد کیا ہے؟ اللہ کا دین ہے ، اسلام ہے ۔اور دین اسلام یہ وہ رشتہ ہے جو ایک طرف انسان کا تعلق اللہ سے جوڑتا ہے اور دوسری طرف اس کے بندوں سے ۔یعنی انسان اللہ کے حقوق بھی ادا کرتا چلا جاتا ہے اور بندوں کے بھی۔ یہاں بھی **حَبْلِ** لفظ استعمال کیا گیا ہے اور **حَبْلِ** کے معنی کیا ہوتے ہیں؟ رسی کے ،رسی کیا کرتی ہے دو چیزوں میں ربط قائم کرتی ہے تسلسل تعلق ۔اب یہ ہے کہ رسی سے یہاں پر مراد کیا ہے؟ اللہ کی کتاب ،جب اللہ کی کتاب کو پکڑیں گے تو کیا ہے کہ انسان پھر اچھا مسلمان بنے گا۔ اللہ کے حقوق بھی ادا کرے گا۔ اور بندوں کے حقوق بھی ادا کرے گا اور جو چند صالحین گزرے جن میں حضرت قتادہ ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ، مجاہد مختلف لوگ - اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔(آمین)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت ہے ۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی کتاب بھی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان تنی ہوئی ہے ۔ یہ اللہ کی وہ رسی ہے۔جس کو پکڑ لینا چاہئے۔ تاکہ انسان صراط مستقیم سے ہٹنے نہ پائے۔

جب انسان اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑتا ہے، تو پھر نبی اختلافات ہوں یا باطنی ہوں زبان کے ہوں یا رنگ اور نسل کے ہوں ،پھر وہ کوئی بھی نقصان نہیں پہنچاتے ۔انسان کے اندر ایک اتحاد ہے وہ قائم ہو جاتا ہے ۔انسان بہت ہی مضبوط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے جو ہمیں باتیں بتائیں ان میں سے ایک بڑی اہم بات تھی

حدیث : تم عبادت اللہ کے لیے کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ ،دوسری یہ کہ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لو، اور نا اتفاقی سے بچو

یہ چیز بھی بہت ضروری ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھاما جائے اور پھر **وَّ لَا تَفَرَّقُوْا** ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوا جائے، آپس میں اختلافات جو ہیں ان کو پروان چڑھایا جائے۔ کیونکہ اللہ کی کتاب کی حیثیت ہمارے درمیان ایک مضبوط سہارے کی ہے ،ایک معاہدے کی ہے ،جب ہم اس کو پکڑ لیتے ہیں تو نتیجہ کیا نکلتا ہے کہ انسان جھگڑوں سے لڑائیوں سےبچ جاتا ہے۔ تو یہود و نصاری کیوں پرا گندہ ہوئے، وہ کیوں ٹکڑوں میں بٹ گئے،؟ کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا ،تو مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ تم لوگ جماعتی لحاظ سے مضبوط جماعت بن جاؤ ۔یہاں پر **جَمِيْعًا** ۔ کا لفظ بھی بتایاجا رہا ہے کہ مضبوط پکڑنا سب کا مل کر پکڑنا، آپ نے وہ کہانی بھی سنی ہوئی ہے نا ۔کہ ایک بوڑھا جب مرنے لگا، تو تین بیٹوں کو بلایا، اور لکڑی کا گٹھا دیا اور ایک کو کہا توڑ کر لاؤ ،پھر دوسرے کو، پھر تیسرے کو ،کوئی بھی توڑ نہ سکا ،پھر گٹھے کو کھول دیا اور کہا اب توڑو تو آسانی سے ٹوٹ گیا ۔یہی کہا تھا نا بوڑھے نے کہ تم مل کر رہو گے تو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، جب الگ ہو جاؤ گے تو دشمن تمہیں آسانی سے فتح کر لے گا۔ مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے کہ ان کو**جَمِيْعًا** ایک گٹھا ہونا چاہیے، ایک جماعت بن کر رہنا چاہیے۔ قرآن کو پکڑیں گے تو وہ ایک جماعت بن جائیں گے ،یہ **جَمِيْعًا** ہی کی دوبارہ وضاحت ہے۔ یہاں پر جو **واقعہ** شروع ہوتا ہے ایک خاص واقعہ ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ واقعہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو متوجہ کرتے ہیں مسلمانوں کو بتاتے ہیں ،کہ تمہاری حیثیت تو بڑی خوبصورت ہے ،کہ تم تو ایک جماعت تھے ،تم تو اکٹھے تھے، اور پھر کیا ہوا ؟کہ یعنی یہودی کوشش کرتے رہتے تھے ،کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑائیں، جھگڑے کروائیں ایک یہودی نے کوشش کی ایک نوجوان آدمی کو بھیجا کہ مسلمانوں کے درمیان لڑائی کروائے۔ وہاں پر جو انصار تھے اوس اور خزرج کے قبیلے کے لوگ یہ پہلے آپس میں بہت لڑتے رہتے تھے ،بڑی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ اور جب دین اسلام آیا ،تو دین اسلام نے ان کو اکٹھا کر دیا ۔اور ایک لڑی میں پرو دیا ۔

وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ

اللہ تعالی نے اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے ،جو اسلام آنے سے پہلے تھی عرب کی حالت ،اور مدینہ کے انصار کی حالت تھی۔ آپس میں دشمنیاں تھیں۔ لڑائیاں تھیں قتل و غارت تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑتے تھے پانی پلانے پر گھوڑا آگے بڑھ گیا۔ وہ آگے کیوں چلا گیا، تو نعمت اسلام جب آئی تو کیا ہوا کہ تین چار سال کے اندر ہی مسلمان آپس میں بہت محبت کرنے والے پیار کرنے والے ، جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اب آپس میں ایک دوسرے کے لیے جان نثار کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ وہ واقعہ ہے جس کی طرف اللہ تعالی نے یہاں پر اشارہ کیا ہے۔ کہ پہلے تم کیسے اکٹھے تھے۔ تم اس چیز کو یاد کرو اللہ کے اس احسان کو یاد کرو، جو اس نے تم پر کیا تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے پھر کیا ہوا جب اللہ نے دل جوڑ دیے ۔تو کیا ہوا ؟**فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا** تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گے ۔ دل جوڑتے ہیں تو انسان بھائیوں کا رویہ اختیار کرتا ہے جب دلوں میں پھوٹ پڑتی ہے ،دلوں میں نفرت ہوتی ہے ،تو بھائی بھائی بھی دشمن بن جاتے ہیں۔ یہاں پر اس زمانے کے جو عرب کے حالات تھے جو لوٹ مار اور قتل و غارت والے تھی اس کی طرف اشارہ کرکے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے۔ کہ یہ جو دین اسلام کی رسی ہے ،یہ ایسی چیز ہے جو تمہیں اکٹھا کر سکتی ہے ،یعنی تم جنگِ بعاث کو یاد کرلو تم اوس اور خزرج کی لڑائیوں کو یاد کرلو ،تم کیسے تھے اور پھر اللہ نے تمہیں اسلام جیسی بڑی نعمت دی ۔ اور آج کے دور میں بھی آپ اس بات کو دیکھیں کہ بہت سے لوگ جو قرآن کو ترجمہ سے پڑھ رہے ہیں اور اپنے یہ تجربات بتاتے ہیں ۔کہ قرآن پڑھتے چلے گے اوران کے گھر سے لڑائیاں ختم ہوتی گئیں۔بعض بیویوں کی گواہی شوہر دیتے ہیں،

بعض شوہروں کی بیویاں دیتی ہیں ۔اسی طرح بعض لوگوں کی ان کے خاندان والے گواہیاں دیتے ہیں ۔کہ فلاں اس کو تو ان باتوں کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا ،وہ تو ان باتوں کو محسوس نہیں کرتا ۔کیونکہ قرآن مجید ایک ایسی عظیم دولت ہے۔ اور اتنا بہترین سرمایہ ہے، کہ جب انسان کے سینے میں قرآن ہوتا ہے، پھر وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر دنیا کے جھگڑوں میں شامل نہیں ہوتا ،پھر اس کا دل اللہ بڑا کر دیتا ہے، پھر اس کے اندر بےنیازی آجاتی ہے پھر اس کے اندر قناعت آجاتی ہے ،تو یہ وہی بات ہے کہ اُس زمانے میں اگر وہ ایسے ہو گئے تھے، آج کے دور میں ہم بھی ہو سکتے ہیں ۔اگر ہم اس پر عمل کریں۔ **وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا** تم آگ سے بھرے ہوے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا،۔ یعنی اب اسلام کی دولت کی وجہ سے تم بے نظیر بے مثال محبت کا ثبوت دینے لگے۔ تو اگر آج ہم بھی لڑتے ہیں تو اس کا مطلب ہے۔ کہنے کو ہم مسلمان ہیں اسلام ہمارے پاس نہیں ہے ۔اگر اسلام ہو تو ہو نہیں سکتا کہ گھروں میں لڑائیاں ہوں۔ کیونکہ جہاں اسلام ہوتا ہے وہاں شیطان نہیں ہوتا ۔جہاں رحمان ہوتا ہے وہاں شیطان نہیں ہوتا ۔صحیح دین کی پھر سمجھ نہیں ہے ۔بعض دین دار گھروں میں بھی اور دین کا دعویٰ کرنے والوں میں بھی اگر لڑائیاں جھگڑے اور مسائل ہیں خاندانوں میں،تو اس کا یہ مطلب ہے دین تو ہے لیکن اس کی صحیح شکل نہیں ہے۔ یعنی ظاہری طور پر ہے حقیقی طور پر عملی طور پر نہیں ہے۔ تو جب عملی طور پر ہوگا تو پھر کیا ہوگا ؟ کہ انسان **شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ** اس سے بچ جائے گا۔ **فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا** کہ اللہ اس سے پھر بچا لیتا ہے، **كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ** اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے۔ شاید تم ہدایت پاؤ۔اگر تمہیں سمجھ ہو۔تو آنکھیں کھولو ۔ تمہیں اندازہ ہو جائے گا ،کہ ،دنیا کا فائدہ اور آخرت کا فائدہ دین اسلام پر عمل کرنے کے نتیجے میں ہے۔ یہاں پر اللہ تعالی جس چیز کی طرف متوجہ کر رہے ہیں وہ کیا ہے ؟کہ تم غور کرو کہ دین اسلام پر عمل کرنے کے نتیجے میں تم کیسے بہترین اور اچھے مسلمان بن سکتے ہو۔ آیت 102 اور 103 اس میں دو اہم باتیں پتا چلیں کہ امت مسلمہ ایک مضبوط امت بن سکتی ہے اگر ان کے اندر تقوی ہو، اور ان کے اندر جماعت بندی ہو۔ یعنی دو اہم اصولوں پر اگر امت مسلمہ عمل کرے تو پھر ان کی ایک مضبوط اجتماعی قوت بن سکتی ہے ۔پہلا ہے تقوی اور دوسرا باہمی اتفاق اور اگر جماعتی لحاظ سے کامیاب زندگی کے یہ گُر ہیں، تو انفرادی دور پر بھی کامیاب زندگی کا یہ گُر ہے، کہ اللہ سے ڈرا جائے ۔اور اللہ کو تقوی بہت پسند ہے۔جہاں رحمن ہوتا ہے وہاں شیطان نہیں ہوتا

آیت 104:
وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
ترجمہ: تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہییں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔

مسلمانوں کو سمجھانے کے بعد ایک عظیم اور بنیادی کام کےمقصد کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے جب تمہارے اندر محبت ہے الفت ہے ،تم جماعتی لحاظ سے بہت مضبوط جماعت ہو، تو ان جماعت کا مقصد کیا ہونا چاہیے؟ یعنی خلافت کے قیام کا بنیادی مقصد کیا ہونا چاہیے ؟کیونکہ جہاں ایک طرف تقوی ضروری ہے ،جہاں آپس میں مل کر رہنا ضروری ہے ،پھر یہ بھی ضروری ہے، کہ اجتماعی قوت بننے کے بعد اصلاح اور فلاح کا کام کیا جائے مسلمان صرف اپنے انفرادی معاملات کی فکر نہ کریں، اپنی انفرادی اصلاح کی فکر نہ کریں، بلکہ کیا کریں اپنے بھائیوں کی اصلاح کی بھی فکر کریں، پوری

قوم کی اصلاح کی فکر کریں ۔ پہلے تو کہا اکٹھے ہو جاؤ، تو اب اہم چیز کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے، اور وہ کیا ہے ؟کہ اللہ کی رسی کو تھام لینے کے بعد اس پر مضبوطی سے قائم ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر جو مسلمان ہیں، ان کے اندر کام کریں لوگوں کو نیکی کا حکم دیں، اور بدی سے منع کریں۔ تم میں ضرور ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے، جو نیکی کی طرف بلائے بھلائی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ سورت العصر وہ بھی تو یہی ہے صحابہ آپس میں جب ملتے تھے اس وقت تک جدا نہیں ہوتے تھے۔ جب تک ایک دوسرے کو سورت العصر نہ سنا لیتے کیوں ؟ان کو پتا تھا کہ سورت العصر میں یہی بتایا گیا ہے کہ انسان فلاح کیسے پا سکتا ہے۔ خسارے سے کیسے نکل سکتا ہے۔ کہ آپ ایمان عمل صالح کے ساتھ ساتھ دوسروں کو نیکی کا حکم دیں۔ آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کریں۔ اور پھر اس راستے میں جو مصیبتیں اور تکلیفیں آئیں ان کو برداشت کریں۔

حدیث : رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ قسم ہے جس کے قبضے میری جان ہیں تم ضرور نیکی کا حکم دوگے، اور بدی سے منع کروگے ۔یعنی یہ کام کرتے رہنا ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہگاروں کے ساتھ تم سب پر بھی اپنا عذاب بھیج دے اس وقت تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، تو قبول نہ ہوگی۔ کہ جب امتِ مسلمہ یہ کام کرنا چھوڑ دے گی تو انسان کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوں گی۔

حدیث: ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص کوئی گناہ ہوتا ہوا دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اپنے ہاتھ کی قوت سے اس کو روک دے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو زبان سے روکے اور یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم دل میں اس فعل کو برا سمجھے ۔اور یہ ادنی درجے کا ایمان ہے ۔تو یہ آیت دراصل امتِ مسلمہ کے ہر فرد پر لازم ہے، کہ وہ فرد اپنی قدرت کے مطابق اپنے حالات اپنی صلاحیتوں اور اپنے اوقات کے مطابق نیکی کا حکم دے، اور بدی سے منع کرے۔

وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ

کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہونے چاہیے جو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں ۔ اور جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پانے والے ہوں گے۔ اور پھر ہمیں ان لوگوں میں ہونا چاہیے جو یہ کام کرتے ہیں اپنے لیے تو سب ہی جیتے ہیں اور کتنے خوش قسمت ہیں، جو دوسروں کے لیے جیتے ہیں۔ سب لوگ کہتے ہیں مگر لوگوں کو دین کی آگاہی نہیں ہے جہالت بہت ہے ۔لیکن ان اندھیروں کو روشنیوں میں بدلنے کے لیے کوئی وقت دینے کو تیار نہیں ہے

ہم کہتے تو بہت ہیں کہ بہار چاہیے۔ پر بہار کے لیے قربانی کرنے کو تیار نہینہیں۔ پھول تو مانگتے ہیں خوشبویں تو مانگتے ہیں ۔پر خوشبو بکھیرنے کے لیے کوئی ہاتھ اور کندھے دینے کو تیار نہینہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتےہیں کہ اگر تم یہ کام کرو گے تو تم فلاح پاؤگے ۔اور وہ جماعت جو رسول اللہ ﷺ نے بنائی صحابہ کی، وہ یہی جماعت تھي۔ صحابہ کیا کرتے تھے ؟نیکی کا حکم دیتے تھے، اور بدی سے منع کرتے تھے ،اور ان کی نگرانی رسول اللہ ﷺ نے کی تھی اور وہ جماعت کس سے بنی تھیں؟ قرآن کو مضبوطی سے تھام لینے کے بعد تو واعتصموا بحبل اللہ جب انسان اپنا لیتا ہے پھر کیا کرتا ہے۔ اصولی طور پر اس کے اندر تین باتیں آ جاتی ہیں۔

جو اس آیت میں مو جود ہیں-1- دعوت الی الخیر 2-امربالمعروف تیسری چیز نہی عن المنکر- یہی تھا خلفائے راشدین کا مقصد، اور یہی تھا صحابہ کا مقصد ،اور یہی آج امت مسلمہ کا مقصد ہے ،کہ ہم یہ کام کریں-

آیت 105

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌۙ

ترجمہ: کہیں تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اُس روزسخت سزا پائیں گے۔

یہاں یہود و نصاری کا جو انجام ہے اس سے مسلمانوں کو ترغیب دلائی جاری ہے ۔انہوں نے اللہ کی واضح تنبیہات کے بعد بھی اللہ کی رسی کو چھوڑ دیا تھا ،اور پھر جس کے ہاتھ میں جو رسی آئی اس نے اسی رسی کو **حبل اللہ** سمجھ لیا- بجائے اسے کے کہ اللہ کی رسی کو پکڑتے انہوں نے اسی رسی کو سمجھ لیا، جو جس کے ہاتھ میں آیا- انہوں نے کہا یہی دین ہے ۔جیسے آج کے دور میں بھی لوگ جماعتوں میں بٹے ہوے ہیں- جہاں بیٹھے ہوئے ہیں- کہتے ہیں- یہی دین ہے دوسرے کو لوگ کہتے ہیں کہ دوسرا اصل دین پر نہیں ہے۔تو یہاں پر اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں؟ کہ دنیا اور آخرت میں فلاح حاصل کرنے کیلئے کیا چیز ضروری ہے؟ کہ اختلافات کو چھوڑ کر اور قرآن مجید کو مضبوطی سے تھاما جائے- اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کی جائے- اور ایسا نہ کرو جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا ،انہوں نے کیا کیا تھا؟ **تَفَرَّقُوْا**- ف رق - فرقہ فرقہ ہوئے **وَ اخْتَلَفُوْا** اور انہوں نے اختلاف کیا- **مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ**- بیّنات آنے کے بعد رسول آنے ،کے بعد کتاب آنے ،کے بعد ہدایت آنے ،کے بعد انہوں نے اختلاف کیا تو آج امّت مسلمہ کو جبکہ قرآن مجید اور رسول اللہ کی سنت موجود ہے- تو امت مسلمہ کو بھی متحد ہونا چاہئے اکٹھا ہونا چاہئے ۔اور کام کرنا چاہئے- **وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌۙ** تو اگر لوگ اپنی مرضی سے فلاح کے راستے تلاش کرتے ہیں- تو کیا ہے ؟کہ ان کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے-

حدیث : ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہودی 71 فرقوں میں بٹ گئے اور نصاری 72 میں اور میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی ۔جن میں سے ایک فرقے کے سوا سب دوزخ میں ہوں گے ،صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے پوچھا وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہوگا، تو آپ نے فرمایا وہ فرقہ اس راہ پر چلے گا، جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں ۔تو اس سے کیا پتا چلتا ہے کہ ہم سب کی یہ ذمہ داری ہے ،کہ ہم جب بھی کوئی کام کرنا چاہیں تو ہمیں ضرور یہ دیکھنا چاہئے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا طریقہ کیا ہے ۔یعنی قرآن اور حدیث اس سلسلے میں ہمیں کیا کہتی ہے ، تو ان کو دردناک عذاب ملے گا-

آیت نمبر 106 سے لے کر 108 تک مسلمانوں کو چند اہم حقائق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ، مسلمانوں کو چند تنبیہات کی گئی ہیں-

آیت 106:

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ

ترجمہ: جبکہ کچھ لوگ سرخ رو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا، جن کا منہ کالا ہوگا (ان سے کہا جائے گا کہ) نعمت ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا؟ اچھا تو اب اِس کفران نعمت کے صلہ میں عذاب کا مزہ چکھو۔

تو یہاں پر جو پہلی چیز بتائی جا رہی ہے، وہ کیا ہے؟ کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے تو روشن چہروں سے مراد کیا ہے ؟اس سلسلے میں قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس کی وضاحت ہمیں ملتی ہے۔

سورت القیامہ

وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌۙ (24) ۔

سورۃ زمر آیت 60

تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ

سورۃ عبس: وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌۙتَرْهَقُهَا قَتَرَةٌؕ

آیت 40-41 میں بھی اسی طرح ہے آپ ان تینوں سورتوں کی آیتوں کو دیکھیں۔تو ان میں جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ایک ہے۔ تبیض بیاض سفیدی کے لیے آتا ہے ۔اور اسود کالا ,مٹی سیاہی غبار کو کہتے ہیں- سفیدی کے معنی روشنی کے ہیں ۔اس سے مراد ہے۔ ایمان کی روشنی مومنین کے چہرے نورِ ایمان سے روشن ہوں گے۔ اور سیاہی جو ہے اس سے مراد کفر کی سیاہی ہے ۔ فجور کی ظلمتیں ، بدعملیوں کے اندھرے اس سے مراد ہیں۔

قول : حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ،کہ سیاہ چہرے اہل کتاب کے ان لوگوں کے ہوں گے جو آپ ﷺ کی بعثت سے قبل تو آپﷺ کی تصدیق کرتے تھے لیکن جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے تو بجائے آپ ﷺ کی تصدیق کرنے کے الٹا جھٹلانے لگے۔

بعض لوگ کہتے ہیں **يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ** یعنی یہ چمکدار چہرے مومنین اور مخلصین کے ہوں گے ،باقی سب کے چہرے سیاہ ہوں گے ،جنہوں نے دین میں تبدیلی کی یا جن کے دلوں میں نفاق تھا، جو زمانہ ساز تھےجیسا موقع دیکھا جیسے حالات دیکھے، اسی طرح کے ہوں گے ۔ان کے چہرے اس دن سیاہ ہوں گے۔ تو اس دن سے ڈرنا چاہیے۔ کہ کہیں اس دن چہرے سیاہ نہ ہو جائیں ،تو اگر روشن چہرے چاہتے ہیں تو کیا کرنا ہے۔ کہ روشنیوں کا انتظام بھی کرنا ہوگا ،ایمان اور عمل صالح کے نتیجے میں چہرے اس دن روشن ہوں گے۔ **وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ** اورکچھ سیاہ ہوں گے ۔تو رہے وہ لوگ جن کے چہرے کالے ہوں گے، ان سے کیا کہا جائے گا؟ **اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ** کیا تم ایمان لانے کے بعد پھر تم نے

کفر کر لیا تھا ۔یعنی تم وہ لوگ تھے جو ایمان لانے کے دعویٰ کرتے تھے، پھر عمل نہیں کرتے تھے۔ اب کیا کرو۔ **فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ** اب تم عذاب کا مزا چکھو اس وجہ سے جو تم کفر کرتے تھے -

آیت 107:

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ

ترجمہ: رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو اُن کو اللہ کے دامن رحمت میں جگہ ملے گی اور ہمیشہ وہ اسی حالت میں رہیں گے۔

روشن چہرے والے نیک لوگ ہوں گے اہل بیاض۔ بعض کہتے ہیں کہ روشن چہرے سے مراد جنت ہے۔ جنت ہی اللہ کی رحمت ہے ۔عبادت نہ کرنے والا دخولِ جنت نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ اللہ کی رحمت شامل حال نہ ہو جائے یہ سرفرازی سرخروئی اللہ کے ہاتھ میں ہے جو نہیں چاہتے ۔ان کو نہیں ملتی اور جواس کی رسی تھامتے ہیں وہی جنت کے حقدار بنتے ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

آیت 108:

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ

ترجمہ: یہ اللہ کے ارشادات ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک سنارہے ہیں کیونکہ اللہ دنیا والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہ میری رحمت ہے کہ قبل از وقت تم کو بتا رہا ہوں کہ کن باتوں پر باز پرس ہوگی تاکہ تم خود کو تیار کر لو ۔قیامت آنے سے پہلے قیامت کی تیاری کر لو۔ تمہاری باتیں تمہارے کردار اور اعمال کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا متحد رہو، نیک بننے کے ساتھ دوسروں کو نیکی کی دعوت دو ۔جب ایسا کرو گے تو دنیا اور اخرت میں اجر ملے گا۔ اب یہ تمہارا فیصلہ ہے - سیاہی یا سفیدی انتظار کرو۔ اللہ ﷻ تو کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا۔
آخری آیت یہ نچوڑ ہے اور بڑی خوبصورت آیت ہے۔ اللہ ﷻ فرماتے ہیں۔

آیت 109:

وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ

ترجمہ: زمین و آسمان کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے اور سارے معاملات اللہ ہی کے حضور پیش ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ یہ بتا رہے ہیں کہ آسمان اور زمین اس بات پر گواہ ہیں آسمان اور زمین پکار پکارکر یہ بتاتے ہیں، سب خدائی اللہ کی ہے، بادشاہی اللہ کی ہے ،حکومت اللہ کی ہے، عزت اللہ کی ہے، یعنی سب کا سب جو کچھ ہے لوگو! وہ اللہ کے لیے ہے۔ تو جب آسمان اللہ کا زمین اللہ کے سارے خزانے ساری خدائ سورج چاند ستارے ہوا موسم پھل پھول۔ تو پھر کیا ہونا چاہئے ؟ہمیں بھی اشرف المخلوقات کو بھی اللہ کا ہو جانا چاہئے، **وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ** سب چیزیں اللہ کی طرف رجوع کرتی ہیں اس سے مراد کیا ہے

؟کہ ہمیں اللہ تعالیٰ فرماتےہیں کہ سارے کام سارے عمل اللہ ﷻ کے پاس پیش ہوتے ہیں ۔تو پھر کیا کرنا چاہئے؟ کہ سراب پر زندگی نہیں گزارنی چاہئے عملوں کو ٹھیک کرنے کی اور عمل صالح کی فکر کرنے چاہئے ۔کہ **تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ** کہ جب اللہ کے سامنے انسان کی حاضری ہو تو پھر اس کے پاس کچھ ایسے اچھے عمل ہوں کہ وہ اللہ کی فکر سے بچ سکے اور وہ اس وقت کے خطرات سے بچ کر جنت اس کو مل سکے ۔تو یہ آیت یہ پیغام دیتی ہےکہ دنیا نہ بھی مسلمان ہو تم مسلمان بن جاؤ ،کہ اللہ کے پاس جا کر جوابدہی کرنی ہے۔

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ، نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، نَسْتَغْفِرُکَ وَ نَتُوْبُ اِلَیْکَ